Syed Kazim Ali Nasr

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۵۵۹

اُردوئے مُعلّٰے

(129)

دہلی

اُردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

جو

ملک کے مشہور اہل قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہو کر

ہر انگریزی مہینے کی بیسویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پروپرائٹر

قربان علی بسمل

نے

اپنے شاہجہانی پریس دہلی کٹرہ گوکل شاہ میں چھپوا کر شائع کیا

عرضِ حال

الحمدللہ کہ جنوری ۱۹۱۲ء سے اُردوئے معلّے کا تیسرا سال شروع ہو گیا۔ اُردوئے معلّے کے خریدار اسکی پابندی اوقات سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں خلنے اپنی حاضری میں کبھی تاخیر نہیں کی۔

اب اُردوئے معلّے کے چندہ پر بھی ذرا غور کریجے کہ ایک روپیہ میں بارہ پرچے بارہ مہینے تک آپکی نظر سے گزرتے رہتے ہیں محصولڈاک لگاکر چار پیسہ میں ۴۰ صفحہ کا رسالہ کچھ زیادہ مہنگا نہیں ہے یوں بھی تخمینہ لگا لیجئے تو ساڑھے چار سو صفحوں کا مطالعہ آپنے ہر یا ۱۲ میں سال بھر کیا۔

*ایسی ارزان چیز پر بھی خریدار مائل نہوں تو اُردو علم ادب کی بدنصیبی ہے۔

بار بار اعلان کیا جاچکا ہے کہ اگر ایک روپیہ کا منی آرڈر بھیجدیا جائے تو صرف دو آنے فیس منی آرڈر میں صرف ہونگے اور وی پی منگانے میں دو آنہ محصول رجسٹری کے بڑھ جانے سے خریدار کو دینے پڑ جاتے ہیں مگر خدا جانے بعض لوگوں کی کیسی سمجھ ہے کہ پھر بھی منی آرڈر کے بجائے وی پی کا آرڈر دیدیتے ہیں جس سے دو آنہ کی جگہ چار آنہ ڈاکخانہ لے لیتا ہے اور ایک روپیہ ہم کو ملتا ہے۔

ہفت بہشت یعنی سوانحعمری خواجگانِ چشت

لیجے اب آپکو علیحدہ علیحدہ بزرگانِ چشت کے سوانح حیات خریدنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ہفت بہشت میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ، حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ، حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ، حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات نہایت تحقیق اور تفصیل سے درج ہیں اور ساتوں بزرگوں کے حالات کے شروع میں ہر ایک مزار کا نقشہ موجود ہے، غرضکہ ہر طرح سے کوشش و جانفشانی کے بعد تیار کر کے ہدیہ ناظرین کیجاتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصولڈاک

دفتر اُردوئے معلّے دہلی سے طلب کیجئے

فہرست مضامین نمبر ۷

اُردوئے معلیٰ

دہلی

نمبر ۷ بابت ماہ جولائی ۱۹۲۵ء جلد ۳

اطلاع جن خریداران کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے اگر انکو آئندہ خریداری منظور ہو تو پرچہ پہنچتے ہی ایک روپیہ کا منی آرڈر بھیجدیں ورنہ بذریعہ کارڈ اطلاع دیں کہ آئندہ خریداری منظور نہیں۔ بحالت سکوت اگست کا پرچہ وی۔پی کیا جائے گا +

منیجر

شذرات

"محرم الحرام"

"گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را"

یکم محرم ہے۔ سال نو کی ابتدا ہوتی ہے۔ دنیائے اسلام ایک قدم آگے بڑھتی ہے ۱۳۴۴ھ کا آغاز ہوتا ہے مگر آہ کتنے بدنصیب مسلمان ایسے ہیں جنکو اسکا احساس ہے۔

دُنیا کی تمام قومیں۔ تمام مذاہب۔ تمام ملتیں۔ اپنے اپنے طریقے پر اپنے اپنے انداز سے ایک نوروز مناتی ہیں جسکی ابتدا عیش و مسرت اور رقص و سرود سے کیجاتی ہے۔ مگر مومنوں کا سال نو۔ مسلمانوں کا نوروز ایک پیام الم ہے۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ دُنیا اور اہل دُنیا اسلام کی مقدس تعلیم میں روحانیت کا جلوہ دیکھ لیں۔ اور اسلام کی مستند برگزیدگی کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ اسلام اپنے پیرؤں کو تقدس اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ فسق و فجور۔ اس سال نو کی آمد پر حرف غلط کیطرح غائب ہوجاتے ہیں۔ ہر مسلمان عام اسکے کہ وہ صوفی ہو یا زاہد رند ہو یا اوباش محرم کے تقدس کا احترام کرتا ہے اور محرم کے مہینے میں اپنی تمام سیہ کاریوں سے متنفر ہوکر تائب ہوجاتا ہے۔ اسکی آنکھوں کے سامنے کربلا کا خونی منظر پھر جاتا ہے۔ اور ہر شخص۔ ہر مسلمان خواہ اسکے معتقدات کچھ بھی ہوں۔ اس مقدس اور برگزیدہ سرگزشت کو یاد کرکے مضطرب ہو جاتا ہے

ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اپنی بساط کے موافق شہیدان کربلا کی روح کو ثواب پہنچانے کی کوشش کرے۔ ہم اپنی کوششیں محدود رکھتے ہیں اُن مضامین تک جو اس رسالہ کے ابتدائی صفحات پر نمایاں ہیں اور جو اخذ کئے گئے ہیں ایک ایسے صحیفہ سے جسے ہمارے دوست محمد انوار صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین و دُنیا دہلی

نے نخبۂ تسلیم کے نام سے شائع کیا ہو۔ جو حضرات اس قسم کے مفصل اور کارآمد مضامین
سے استفادہ کرنا چاہیں وہ اس صحیفہ کو جسکی قیمت صرف چھ آنے ہے۔ دفتر
اُردوئے معلیٰ دہلی سے حاصل کریں۔

اُردوئے معلیٰ کا موجودہ نمبر خاص وجوہات کی بنا پر "قوم نمبر" اور "نوروز نمبر" زیادہ ضخامت کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے اور یہ بہترین شکریہ ہو جو ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بہ خلوص و ایثار پیش کر سکتے ہیں۔ ہمیں ناز ہو کہ ہمارے کرمفرماؤں کی توجہ سے گذشتہ چھ ماہ میں رسالہ کی اشاعت نے معقول ترقی کی (گو رسالہ ابتک اس قابل نہیں ہوا کہ اپنے اخراجات خود برداشت کرے) مگر ہمیں امید ہو کہ بہت جلد وہ دن آئیگا کہ آپ اپنے رسالہ کو (جسکی خوبیوں کا اعتراف آپکا فرض ہے) پھولتا پھلتا دیکھیں۔

شکریہ کے مستحق ہیں وہ حضرات جنھوں نے توسیع اشاعت میں حصہ لیا۔ مگر ابھی بہت سے تساہل پسند حضرات کو اپنے اخلاقی فرض کا احساس نہیں ہم اُنکی خدمت میں یہ خاص نمبر بطور سفارش پیش کرکے ملتمس ہیں کہ وہ اپنی غفلت پسندی کو محسوس کریں اور جسطرح ہم اپنے ایثار کا ثبوت عملی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ اسیطرح وہ بھی عملی طور سے رسالہ کی اشاعت میں حصہ لیں اور کوشش کرکے نئے خریدار بہم پہنچائیں۔

بہت سے کرمفرما ناظرین ہمیں مشورہ دے رہے ہیں کہ ہم رسالہ کے سالانہ چندہ میں اضافہ کردیں مگر ہم ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں اسلئے کہ جن مقاصد کو ہم نے اپنے فرائض میں شامل کیا ہے انمیں سے ایک یہ بھی ہے کہ چندہ میں کسی طرح کا اضافہ نہ کیا جائے۔

ہم اپنے عنایت فرما ناظرین پر بھروسہ کرتے ہوئے اسکے لئے بھی تیار ہیں کہ اُنکے اُن احباب کے نام جنکی اطلاع وہ ہم کو دیں نمونہ کا پرچہ مفت رسال کردیں تاکہ خریدار حضرات یہ اطمینان ہماری کاوشوں کا ملاحظہ کرکے ہماری ہمّت افزائی کریں۔ اگر اس ماہ میں کم از کم پچاس نئے خریداروں کا چندہ دفتر کو وصول ہوگیا تو آیندہ رسالے کی ضخامت مستقل طور سے ۸ صفحات کروی جائیگی۔

گزشتہ نمبر کے اعلان کے مطابق جناب اکبر حیدری کے دو افسانے سیرِ خرابات اور رقاصہ شائع ہوگئے ہیں اور جن حضرات نے فرمائشیں بھیجی انکے نام اس نمبر کے ساتھ ساتھ ارسال کئے جاتے ہیں۔ خریداران "اُردوئے معلّےٰ" کے ساتھ اُن تمام تصانیف میں جو "دفتر اُردوئے معلّےٰ" شائع کریگا خاص رعایت کا اہتمام کیا گیا ہے ان دونوں فسانوں کی قیمت چھ آنے اور آٹھ آنے ہے مگر خریداران اُردوئے معلّےٰ کے لئے "سیرِ خرابات" کی قیمت ۵ر اور "رقاصہ" کی ۷ر فی جلد ہوگی۔ اگر دونوں کتابیں ساتھ منگائی جائیں تو ڈاک کے اخراجات میں تخفیف ہوجائے گی۔

یہ دونوں فسانے اپنی نوعیت اور نفسِ مضمون کی رعایت سے بیحد سبق آموز اور عبرت انگیز ہیں۔ ظرافت کا مخصوص رنگ سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ ہم اپنے ناظرین سے پرجوش سفارش کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں فسانوں کو ضرور پڑھیں اور دفتر اُردوئے معلّےٰ کی ہمّت افزائی کریں تاکہ ہم دوسری مفید اور قابلِ قدر تصانیف شائع کرسکیں۔

میدانِ کربلا کی خونی داستان

(صحیح اور مستند روایتوں سے)

امام حسینؑ کا انکار یزید پلید کی بیعت سے

جب یزید پلید ۶۰ھ ہجری میں دمشق کا مالک اور بادشاہ ہوگیا تو اس نے ملک ملک خطوط لکھے۔ تاکہ لوگوں سے اُسکی بیعت لیجائے اور عامل مدینہ یعنی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسینؑ سے بیعت لے۔ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ ایک مردِ فاسق دائم الخمر اور ظالم تھا۔

اہل کوفہ کے اصرار پر امام حسینؑ کا حضرت مسلم کو جانب کوفہ روانہ کرنا

امام حسینؑ نے ماہ شعبان کی چوتھی تاریخ مکہ کی طرف کوچ کیا۔ اور وہاں پہنچکر قیام فرمایا۔ جب یہ خبر اہل کوفہ کو پہنچی۔ تو انہیں سے ایک جماعت کثیر نے متفق ہوکر آپکو بلانے کیلئے خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس قیام فرمائیں۔ ہم آپ کیلئے جان اور مال صرف کرنے پر آمادہ ہیں۔ اور اس امر میں بہت مبالغہ اور اصرار کیا۔ ہر گروہ اور ہر جماعت کیطرف سے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط پے درپے آئے۔ اسوقت آپ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو اُن لوگوں کی طرف روانہ کیا۔ اور اُنکو نصرت وحمایت مسلم کی تاکید کی۔

کوفیوں کی بیعت۔ نعمان بن بشیر حاکم کوفہ کی معزولی۔ اور عبید اللہ بن زیاد کا تقرر۔

جب حضرت مسلم کوفہ میں پہنچے تو مختار بن عبید کے گھر میں اترے اور بہت سے لوگوں نے جنکی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ تھی حضرت مسلم کے ہاتھ پر امام حسینؑ کی بیعت کی۔ اس امر کی اطلاع یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر حاکم کو پہنچی۔ جو صحابی تھا۔ اُس نے لوگوں کو اس بات پر دھمکایا۔ مگر صرف دھمکی کو کافی سمجھا اور کسی شخص سے تعرض نہیں کیا۔ مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ

سنے یزید کو لکھ بھیجا۔ اسکو حضرت مسلم کے معاملہ کی خبر دی۔ اور یہ بھی اطلاع دی کہ اہل کوفہ کا میلان حضرت مسلم کی طرف ہے۔ اور نعمان بن بشیر اُن سے تغافل کرتا ہے۔ یزید نے نعمان کو معزول کیا۔ اور عبید اللہ بن زیاد کو جو بصرہ کا حاکم تھا۔ اُسکی جگہ (کوفہ کا) حاکم مقرر کیا۔ پھر عبید اللہ بن زیاد نے بصرہ سے کوفہ کیطرف رُخ کیا۔ اور اہل حجاز کے لباس میں جنگل کی طرف سے بوقت شب کوفہ میں داخل ہوا۔ اور لوگونکو اس دھوکہ میں ڈالا۔ کہ انہوں نے اُسکو امام حسینؓ سمجھا۔ انھوں نے اندھیری رات میں اسکا استقبال کیا۔ اسکو سلام کیا۔ اور آگے آگے چلنے لگے اور یہ کہتے تھے۔ مَرْحَبَا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ (اے فرزند رسول اللہ آپ خوب آئے۔ آپ کا تشریف لانا مبارک ہو) ابن زیاد خاموش رہا۔ یہانتک کہ دار الامارہ (ایوان حکومت میں داخل ہوا)

جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا۔ اپنی حکومت کا فرمان پڑھکر

عبید اللہ بن زیاد کی پُرفریب کارروائی کونیون کی بیوفائی اور حضرت مسلم کی بیکسی و تنہائی

سُنایا اور انکو یزید کی مخالفت سے ڈرایا اور دھمکایا اور حیلہ و تدبیر سے حضرت مسلم بن عقیل کی جماعت کو متفرق و منتشر کر دیا۔ حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ گئے۔ اسکے بعد عبید اللہ نے محمد بن اشعث کو فوج سمیت ہانی کے گھر پر بھیجا وہ لوگ اُسکو گرفتار کرکے لے آئے۔ ابن زیاد نے اسکو قید کر لیا۔ اور رؤسا کوفہ کو بھی اپنے پاس محل میں محبوس کیا۔ یہ خبر حضرت مسلم کو پہنچی آپ نے اپنے گروہ کو پکارا تو آپکے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہوگئے اور انہوں نے (ابن زیاد کے) محل کو گھیر لیا۔ اور رؤسا کوفہ میں سے جو لوگ قید کر لئے گئے تھے۔ انکو عبید اللہ نے حکم دیا کہ اپنے آدمیوں کو سمجھاؤ۔ اور انکو مسلم کی رفاقت سے ہٹاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اُن سے بات چیت کی۔ اور سب کے سب تتر بتر ہو گئے۔ شام تک

صرف پانسو آدمی حضرت مسلم کے ساتھ رہ گئے تھے۔ جب رات ہوگئی تو سبھی چل دیئے۔ اور مسلم یکہ و تنہا رہ گئے۔

حضرت مسلم راہ میں متردد تھے (کہ کدہر جائیں اور کہاں ٹھیریں) آخر ایک عورت کے مکان پہنچے اور اُس سے پانی مانگا۔ اُس نے پانی پلایا۔ اور حضرت مسلم کو اپنے گھر میں چھپالیا۔ اس عورت کا بیٹا محمد بن اشعث کا غلام تھا اُس نے اپنے آقا محمد اشعث کو جا کو خبر دی اور اُس نے یہ خبر عبید اللہ بن زیاد کو پہنچادی۔ عبید اللہ نے عمرو بن حریث کو قتال اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انھوں نے اُس گھر کو جہاں حضرت مسلم پوشیدہ تھے۔ گھیر لیا۔ حضرت مسلم تلوار لیکر باہر نکلے اور ان سے لڑنے لگے۔ پھر محمد بن اشعث نے آپ کو امان دی۔ اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گیا۔ اُس بدبخت نے آپ کا سر قلم کیا۔ لاش کو لوگوں کے سامنے ڈلوا دیا۔ اور ہانی کو صلیب پر لٹکا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کا ہے۔ عبید اللہ نے حضرت مسلم کے دونوں بیٹوں محمد اور ابراہیم کو بھی شہید کیا۔

شہادت حضرت مسلم و ہانی و فرزندان مسلم

جس دن حضرت مسلم شہید ہوئے۔ اُسی دن امام حسین مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بعض کا قول ہے کہ بروز ترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کو) روانہ ہوئے۔ کیونکہ حضرت مسلم بن عقیل نے آپکو لکھا تھا اور درخواست کی تھی۔ کہ یہاں تشریف لائیے۔ جب آپ نے چلنے کی تیاری کی۔ تو ابن عباسؓ۔ ابن عمرؓ۔ جابرؓ۔ ابو سعیدؓ خدری۔ اور ابو واقد لیثی اُس ارادہ سے مانع ہوئے۔ آپ نے انکے منع کرنے کو نہ مانا اور یہ جواب دیا۔ کہ میں نے سُنا ہے کہ میرے والد ماجد کہا کرتے تھے۔ کہ میں نے آنحضرت کو یہ کہتے سُنا ہے کہ ایک مینڈھے کے سبب کعبہ کی بے حرمتی کیجائیگی

امام حسینؑ کا عزم سفر جانب کوفہ بعض اصحاب کا منع کرنا اور آپکا جواب

(یعنی ایک شخص مکہ میں مارا جائے گا۔ اور اس وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہوگی) ایسا نہ ہو۔ کہ میں وہی مینڈھا ہوں"۔

امام حسینؑ کا کوچ اور بعض واقعات جو راہ میں پیش آئے

الغرض امام حسینؑ نے اپنے اہلبیت اور اپنے گروہ میں سے بیاسی آدمیونکو ہمراہ لیکر کوچ کیا۔ اثناء راہ میں حضرت مسلم کی شہادت اور آپکی جماعت کے متفرق و منتشر ہو جانے کی خبر سُنی۔ تو آپ نے ہٹ جانے کا ارادہ کیا(یعنی روانگی کوفہ کا قصد فسخ کر دیا) اولاد عقیل (یعنی حضرت مسلم کے بھائیوں) نے کہا بخدا ہم نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ اپنا انتقام لیں یا قتل ہو جائیں۔ فرمایا "تمہارے بعد زندگی میں کوئی خوبی نہیں"۔ اسکے بعد آپ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ یہان تک کہ جب کوفہ سے دو منزل کے فاصلہ پر رہ گئے تو حُر بن یزید ریاحی آپ کو ملا۔ اُسکے پاس ابن زیاد کے ہمراہیون میں سے ایک ہزار سوار مسلح تھے۔ حُر نے امام حسینؑ سے کہا کہ "مجھے عبید اللہ بن زیاد نے آپکے پاس بھیجا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ آپ کو نہ چھوڑون۔ یہانتک کہ اسکے پاس لیجاؤں۔ ورنہ بخدا میں مجبور ہون امام حسین نے فرمایا کہ "جب اہل کوفہ کے بہت سے خطوط اور قاصد میرے پاس آچکے ہیں۔ اُسوقت میں اس شہر کی طرف آیا ہوں۔ تم بھی کوفہ کے رہنے والے ہو۔ اگر تم لوگ اپنی بیعت (اور قول و قرار) پر قائم رہو۔ تو میں تمہارے شہر میں داخل ہون۔ ورنہ واپس چلا جاؤن"۔ حُر نے کہا "بخدا مجھے ان خطون اور قاصدوں کا حال معلوم نہیں۔ اور کوفہ کو واپس لوٹ جانا میرے لئے ممکن نہیں میں آپ کو نہ چھوڑونگا جب تک کہ ابن زیاد کے پاس نہ لیجاؤں گا۔ اور باہم گر بہت کچھ گفتگو ہوئی۔

سلہ واپسی کا ارادہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں بلکہ خلاف واقعہ ہے۔

امام حسینؑ کوفہ کی راہ سے ہٹ کر ۲ محرم ۶۱ھ ہجری کو کربلا میں تشریف

آپ کا ورود کربلائے معلّے میں اور ابن زیاد کا خط بطلب بیعت

لائے۔ جب اس سرزمین پر پہنچے تو اُس کا نام پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ اسکو کربلا کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا ھذا موضع کرب و بلاء (یہ رنج و بلا کی جگہ ہے) پھر سب لوگوں نے اتر کر اپنا بوجھ اور اسباب اتارا۔ اور حر بھی مع لشکر زمین کربلا پر امام حسینؑ کے روبرو قیام پذیر ہوا۔ ابن زیاد نے امام حسینؑ کی خدمت میں ایک خط لکھکر بھیجا جسمیں یزید سے بیعت کر لینے کا مطالبہ تھا۔ جب یہ خط امام حسینؑ کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے اُسے پڑھکر ڈالدیا اور قاصد سے فرمایا کہ اسکا جواب میرے پاس نہیں ہے۔

جب قاصد ابن زیاد کے پاس گیا تو سخت غضبناک ہوا۔ اُسنے لوگوں کو

کربلا میں افواج کا اجتماع اور جنگ کی تیاریاں

جمع کیا۔ فوجیں تیار کیں۔ اور عمر بن سعد کو جو ملک رے (یعنی طہران) کا حاکم تھا اُن کا سپہ سالار بنایا اس نے امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے جانے سے عذر کیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ یا تو جنگ کے لئے جا۔ یا ملک رے کی حکومت سے ہاتھ اُٹھا۔ اور اپنے گھر بیٹھ عمر سعد نے حکومت رے کو پسند کیا۔ اور فوجیں لیکر امام حسینؑ سے لڑنے کیلئے نکلا۔ ابن زیاد ایک ایک سردار کو تیار کر کے اسکے ساتھ لوگوں کی ایک ایک جماعت کو جنگ کے لئے بھیجتا رہا۔ یہانتک کہ عمر سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے اور دریائے فرات کے کنارے اتر کر آپ دریائے درمیان اور حسینؑ و اصحاب حسین کے درمیان حائل ہو گئے جو لوگ عمر سعد کے ہمراہ امام حسین سے لڑنے نکلے تھے ان میں اکثر وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے اور بیعت کی تھی۔

افواج یزید کا نرغہ اور حُر کی جان نثاری

جب امام حسینؑ کو یقین ہوگیا۔ کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔ اور انھون نے لشکر کے ارد گرد بطور خندق گڑھا کھود لیا۔ اور اسکا ایک ہی راستہ رکھا۔ جس سے باہر نکلکر لڑسکیں لشکر ابن سعد نے سوار ہوکر امام حسینؑ کو گھیر لیا۔ اور ہجوم کرکے جدال و قتال شروع کردیا۔ امام حسینؑ کے اہلبیت اور اصحاب یکے بعد دیگرے شہید ہونے لگے۔ یہانتک کہ پچاس سے زیادہ شہید ہوگئے اسوقت آپ نے باواز بلند فرمایا اَمَا مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا لِوَجْہِ اللّٰہِ اَمَا مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (کیا کوئی فریادرس ہے رضائے الٰہی کے لئے ہماری فریاد کو پہنچے۔ کیا کوئی بچانے والا ہے کہ حرم رسول اللہ کو بچائے) یہ فرمان سنکر حُر بن یزید ریاحی جسکا ذکر پہلے ہوچکا ہے گھوڑے پر سوار ہوکر نکلا یک امام حسینؑ کے سامنے آیا اور کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! سب سے پہلے جو شخص آپ سے لڑنے کے لئے نکلا تھا وہ مین تھا۔ اور اب میں آپ کے گروہ مین شامل ہوگیا ہوں۔ مجھے حکم دیجئے کہ آپ کی نصرت میں قتل ہوجاؤن۔ شاید کل (قیامت کے دن) آپکے نانا کی شفاعت مجھے نصیب ہو۔ اس کے بعد حُر نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور برابر لڑتا رہا۔ یہانتک کہ شہید ہوگیا۔ اور اسکا بھائی بیٹا اور غلام بھی اسکے ساتھ شہید ہوگئے ؎

امام حسینؑ کے اصحاب و اہلبیت اور خود حضرت کی شہادت کا مجمل حال

لڑائی زور شور کے ساتھ جاری رہی۔ یہ نتیجہ کہ امام حسین کے کل اصحاب اور رشتہ دار و چچازاد بھائی بھی شہید ہوگئے۔ اور آپ یکہ و تنہا رہ گئے۔ ... ہاتھ مین لیکر بنفس نفیس لڑنے کے لئے نکلے۔ برابر لڑتے رہے ... جو شخص ... سے نکلکر سامنے آیا۔ اُسکو قتل کرتے رہے یہانتک کہ ان میں سے ایک ...

کو قتل کیا۔ پھر زخموں سے چور ہوگئے اور ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ شمر ذی الجوشن کچھ
شخص اپنے دستہ کے سامنے آیا۔ اور امام حسینؑ اور خیام اہلبیت کے درمیان حائل
ہوگیا۔ امام حسینؑ نے للکار کر کہا اے گروہ شیطان! تمہارا برا ہو۔ میں تم سے
لڑ رہا ہوں۔ تم کو کیا ہوا۔ کہ حرم محترم سے تعرض کرتے ہو؟ عورتیں تو تم سے نہیں
لڑتیں؟ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا "عورتوں کو چھوڑ دو۔ اور اسی شخص کو
کو لو"۔ چنانچہ وہ لوگ تیر اور نیزے لیکر امام کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ
شہید ہو کر گر پڑے۔ اور نصر بن خرشہ سر مبارک کو جدا کرنے لگا مگر کاٹ نہ سکا۔ تب
خولی بن یزید نے اتر کر سر مبارک کو قطع کیا اور ایک روایت ہے کہ شمر نے اپنے
ساتھیوں سے کہا "تمہارا برا ہو۔ اب کیا انتظار ہے اب تو اس شخص کو زخموں نے
چور چور کر دیا ہے" پھر تو امام پر تیر اور نیزے لگاتار برسنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک
شقی کا تیر آپکے تالو تک پہنچ گیا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ شمر ملعون نے چہرہ
مبارک پر ضرب لگائی۔ پھر سنان ابن انس نخعی آپہنچا جس نے نیزہ مارا۔ اور خولی
بن یزید سر کاٹنے کے لئے اترا۔ لیکن اسکے ہاتھ کانپنے لگے۔ اب اوسکا بھائی شبل
بن یزید اترا اور اسنے سر مبارک کو کاٹ کر اپنے بھائی خولی کو دیا۔ بعد ازاں وہ
لوگ خیمہ حرم محترم میں داخل ہوئے۔ اور انھوں نے بنی ہاشم میں سے لڑکوں
اور عورتوں جتنے تھیں سب کو گرفتار کر لیا عمر بن سعد اور شمر نے ایک گروہ کو حکم
دیا جس نے گھوڑوں پر سوار ہو کر امام حسین علیہ السّلام کی لاش مطہر کو
روند ڈالا۔ اور سر مبارک کو بشیر بن مالک اور خولی بن یزید کے ساتھ ابن زیاد
کے پاس بھیج دیا۔

اسمائے گرامی ان اہلبیت کے	امام حسینؑ کے ساتھ اہلبیت میں سے حضرت
ہیں شہید ہوئے۔	علی بن ابی طالب کے پانچ بیٹے عباس، عثمان،

عبداللہ۔ محمدؑ۔ اور جعفرؑ۔ اور امام حسن کے چار بیٹے۔ قاسمؑ۔ عبداللہ۔ عمروؑ ابو بکرؑ اور خود امام حسین علیہ السلام کے دو بیٹے علی اکبر جو اپنے والد ماجد کے سامنے دشمنوں سے لڑے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے اور عبداللہ (یعنی علی اصغرؑ) کربلا میں بزمانہ شیر خواری (چھ مہینے کی عمر میں) قتل کئے گئے۔ اور اپنے والد کی گود میں تھے کہ یکایک ایک شقی کا تیر آ لگا۔ جس سے وہ شہید ہوگئے۔ اسکے سوا حضرت عقیل بن ابی طالب کے تین بیٹے۔ عبداللہ۔ عبدالرحمن اور جعفر (یعنی حضرت مسلم کے بھائی) بھی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ اللہ تعالے ان سے رضامند ہو۔

تاریخ و سن شہادت امام حسینؑ اور اہلبیت کی واپسی جانب مدینہ

امام حسینؑ کی شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری میں واقع ہوئی اسوقت عمر شریف چھپن سال پانچ مہینے اور پانچ دن کی تھی۔ ابن زیاد شقی کے حکم سے آپ کا سر مبارک کوفہ کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ پھر سر مبارک کو مع سرہائے دیگر شہدا اور اسیران اہلبیت شمر ذی الجوشن کے ساتھ یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا۔ جو دمشق میں تھا بعد ازاں اہلبیت حسین اور آپکے سر مبارک کو حضرت علی بن الحسینؑ (یعنی امام زین العابدینؑ) کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سیّد الشہداء کی شہادت

از جناب مولانا محمد [illegible] صاحب

سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنی [illegible] سے بہت سی مفید اور قیمتی باتوں کا عملی طریقہ دنیا کو دیا اور سچ پوچھئے تو اپنے نانا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ کی اور بالخصوص ان کو عملی رنگ میں دکھائی وہ [illegible] دوست کے حصہ میں [illegible]

ثابت قدمی آپ نے بارہا دیکھا ایک بڑے زبردست دشمن سے مقابلہ تھا۔ تمام دوست و احباب سمجھاتے تھے۔ ابو واقد لیثی، جابر بن عبداللہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم حتی کہ عبداللہ ابن عباس بھی بہت سمجھاتے تھے۔ مگر ثابت قدمی و اولوالعزمی کا وہ پاک نمونہ دکھایا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر سے خاموش ہے

توکل و اخلاص آپ نے باوجود اپنے بیٹوں کے اپنے معدودے چند ساتھیوں کے شہید ہو جانے کے بعد وہ شجاعت اور بہادری دکھائی کہ دشمنوں کے دل کانپ گئے۔ مخالفوں کے لشکر کو درہم برہم کر دیا۔ دشمن لاکھوں کی تعداد میں ہوں۔ اور ایک شخص ان کے نرغہ میں گھرا ہوا ہو۔ تو ایسے موقع پر کسی بہادر کا تمام دشمنوں کا مقابلہ کرنا کیا کچھ شجاعت و بہادری ہے؟ اللہ اللہ یہ سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام ہی کا حصہ تھا کہ آپ نے ثابت کر دیا کہ بہادر کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔

استقلال آپ نے استقلال و استقامت اور [illegible] توکل و اخلاص [illegible] کی نشانیاں [illegible] بلندی [illegible] ایسے موقعہ پر آپ کے

خیمہ کے مقابل دشمن نے اپنے لشکر کا پڑاؤ ڈالا۔ اور فرات پر فوج بٹھا دی۔ اور حکم دیا کہ آپ کے خیمہ میں پانی تک نہ جانے پائے۔ اور یہاں یہ حالت تھی کہ کھانے کو بھی کچھ موجود نہ تھا۔ پانی تک بھی ختم ہو گیا۔ بھوک و پیاس کی شدت سے تڑپتے تھے۔ پردیس کا معاملہ تھا کوئی یار و مددگار نظر نہیں آتا تھا۔ ایسی حالت میں اگر نہایت دلیر اور خلاف معمول کوئی نہایت قوی دل انسان بھی ہو تو اوسپر بھی خوف ایسا مستول ہو جاتا ہے کہ اُنکی ہر ایک حرکت سے اسکا اظہار ہوتا ہے میں نے بڑے بڑے بہادروں کے واقعات پڑھے ہیں۔ لیکن ایسے موقعہ پر جو انکی حالت ہوئی ہے۔ اُسکا حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السّلام کے واقعہ سے مقابلہ کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

امر بالمعروف آپ نے امر بالمعروف جیسے فرض کو ایسے وقت میں بھی پورا کر کے دکھا دیا۔ کاش مسلمان ان باتوں پر غور کریں۔ اور انسے مفید سبق سیکھیں۔ جب آپ اپنے خیمہ سے رخصت ہو کر میدان جنگ میں آئے۔ اور فوج اعدا کے سامنے کھڑے ہو گئے تو بڑے دھڑلے سے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اور اپنی عظمت و شان اور بےقصوری و ناچاری کا ذکر فرمایا۔ ظالموں کو ظلم و ستم سے باز رہنے کی ہدایت کی اور ایسے نازک وقت میں بھی وعظ و نصیحت سے باز نہ رہے۔ اور فیض و ہدایت کا سلسلہ تا انقطاع گلو منقطع نہ کیا آپ نے سبق دیا کہ حق کہنے والے دعوت ربانی کی تبلیغ کرنیوالے تلواروں کے سایہ میں بھی نہیں جھجکتے اور اپنے فرض سے غافل نہیں رہتے۔

اطاعت خدا اور پابندی نماز آپ نے خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت اور پابندی نماز کی وہ بے نظیر مثال قائم کی کہ اگر اسپر مسلمان کچھ بھی خیال کرتے تو نماز میں اسقدر سستی اور غفلت نہ برتتے۔ جس قدر کہ آج انمیں موجود ہے

لکھا ہے کہ جب ظالمین نیزہ خنجر لیکر آپ کا سر مبارک کاٹنے کو تیار ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ لوگو! اب میں تم لوگوں کے قبضہ میں ہوں۔ آخر قتل ہی کروگے۔ آج جمعہ کا دن ہے اور دوپہر کا وقت ذرا اتنی فرصت دیدو کہ دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ آخری وقت اپنے مولا کی یاد کرلوں۔ آپ زخموں سے چور تھے بدن سے خون جاری تھا۔ اُٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اسوقت بھی آپ کھسک کھسک کر نماز پڑھنے کیلئے قبلہ کا رُخ درست کر رہے تھے۔ آپ پہلے ہی سجدہ میں تھے کہ بدبختوں نے آپ کا سر مبارک جسم پاک سے علیحدہ کر دیا۔

اللہ اللہ کس قدر خدا تعالےٰ سے آپ کو سچا تعلق تھا۔ کہ ایسے وقت میں بھی آپ نے نماز کو ترک نہیں کیا۔ اور ہمیشہ کے لئے یہ مفید سبق پچھلوں کے لئے آپ نے چھوڑا کہ فریضہ نماز ایسی حالت میں بھی معاف نہیں۔ اسکے وہ نام لیوی ان کو رونے والے۔ ان کی محبت کا دم بھرنے والے۔ کہ جو چین و آرام کی حالت میں بھی بھولے سے کبھی اپنے خالق کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ نمازوں کی کس طرح سے بے حرمتی کرتے ہیں۔ خدا کیلئے ذرا غور کریں اور دل میں شرمندہ ہوں کہ کیا ہم اُس امام پاک کی تتبع کر رہے ہیں۔

راہ حق میں جان دینا آپ نے اپنی شہادت سے ثابت کیا کہ حق پر مرنا اور راہ حق میں جان دیدینا زندگی سے بہتر ہے۔ دشمن کے ہر قسم کا دباؤ اور رعب ڈر اور ہیبت۔ طمع اور لالچ دینے پر اور باوجود اس درجہ کی مصیبت و تکلیف کے کہ جسکی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ آپ نے اپنے تمام کنبے کے لوگوں اور یار و انصار کے ساتھ وطن سے دُور دشتِ کربلا میں تین دن بھوکے پیاسے بڑے ظلم سے قتل کئے جانے کو قبول کیا۔ اور جب جواب دیا تو یہی دیا کہ دوگو دُنیا کی حالت متغیر ہوگئی ہے۔ حق کی جگہ باطل اور باطل کی جگہ

حق ہو گیا ہے۔ اور حقانیت اُٹھ گئی ہے۔ لیکن میں حق پر مرنے کو سعادت جانتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو جرم و شناعت سمجھتا ہوں (احیاء العلوم) سچ ہے

سر داد و نداد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لاالٰہ ہست حسین

صبر و رضا شکر و تسلیم تو آپ کی شہادت کے خاص جزو ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے صابر و شاکر پیدا ہوتے بڑے بڑے خدا کے بندے مقام شکر و تسلیم میں پہنچے۔ مگر جس اعلےٰ مقام پر آپ پہنچے اُسکی نظیر انبیاء علیہم السلام کے حالات میں بھی بمشکل سے ملتی ہے۔ ننھے ننھے بچوں کا العطش کی فریاد کرنا۔ شیرخوار صاحبزادے حضرت علی اصغر کا آپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دینا کیا کچھ کم حوصلہ شکن بات تھی مگر واہ رے آپ کا صبر و شکر۔ آپ نے ان مصیبتوں پر بھی صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ دیا۔ اور لکھا ہے کہ آپ نے اپنے پیارے بیٹے کی نعش کو زمین پر رکھکر بیٹے کے خونِ ناحق سے رنگین ہوجانے والے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا۔ اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر فرمایا "پروردگارا حسین اب بھی صابر ہے۔ اور تیری مرضی پر راضی"۔ مختصر یہ کہ آپ کی شہادت اس قسم کے بہت سے مفید اور عملی سبق اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس قدر اس واقعہ کی یاد تازہ ہے۔ کاش اسیقدر اگر اس سے مسلمان فائدہ اُٹھاتے اور عبرت اور سبق سیکھتے تو آج دنیا میں انکی عزت و عظمت ہوتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم انحطاط پذیر ہوتی ہے۔ اور اس سے آثار ترقی مفقود ہوتے جاتے ہیں تو وہ ان ممتاز خصوصیات سے دست بردار ہوجاتی ہے جنھوں نے کبھی اسکو بامِ ترقی پر پہنچایا تھا۔ اور ان کو اسطرح کھو بیٹھتی ہے۔ جس طرح وہ کبھی اس قوم میں تھیں ہی نہیں۔ زمانہ نے اسلام پر بھی اس کلیہ کو صادق کر دکھایا۔ مسلمان تیرہ صدیوں کی غفلت کے بعد اب کچھ بیدار ہوتے ہیں تو انھوں نے ترقی کے لئے وہ راہ اختیار کی ہے جو

اغیار و اجانب نے اپنے ملکی و مذہبی مقاصد کے لحاظ سے تیار کی تھی۔ کاش مسلمان اسی واقعہ شہادت امام حسینؑ پر غور کریں۔ کیا دنیا کا کوئی مشہور شخص آپ سے بڑھکر ہمت و جوانمردی۔ شجاعت و بہادری۔ توکل و اخلاص۔ صبر و رضا استقلال و استقامت، ثابت قدمی، و اولوالعزمی۔ امر بالمعروف۔ پابندیٔ شرع و اطاعت حق، حق پر مرنا۔ اور راہ خدا میں جان دینا۔ دنیا سے بے رغبتی وغیرہ امور میں بڑھکر مثال پیش کر سکتا ہے۔

اسلامی اخلاق کا سچا نمونہ

(از جناب مولانا محمد عظیم صاحب)

اس رسالہ میں جہاں حضرت سید الشہدار، امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر پاک ہے وہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت کے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کا بھی کچھ ذکر خیر آجائے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاک خصائل و شریف عادات جو انکو اپنے نانا جناب محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے وراثتہً پہنچے تھے۔ ان میں سے انتقام سے درگزر کرنے۔ رحم و عفو سے کام لینے کا یہ حال تھا کہ اس زہر کے اثر سے جو دشمنون نے آپکو دہوکے اور فریب سے کھلوادیا تھا۔ یہ حال ہوگیا تھا کہ آپ کا جگر اور آپکی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دستوں کے ذریعہ نکلتی تھیں۔ اس سخت تکلیف و مصیبت اُٹھانے کے بعد جب آپ کا وقتِ وصال قریب آیا تو چھوٹے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے آکر پوچھنا شروع کیا کہ بھائی! مہربانی فرماکر آپ مجھکو بتلادیں کہ آپکو کس نے زہر پلایا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا "حسین! کیا تم اُسکو مارنا چاہتے ہو

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہاں" (بیشک میں اسکو مارونگا) آپ نے فرمایا کہ - لَئِنْ کَانَ صَاحِبِی الَّذِی اَظُنُّ اللّٰهُ اَشَدُّ نِقْمَةً وَ اِنْ لَمْ یَکُنْهُ مَا اُحِبُّ اَنْ تَقْتُلَ بِی بَرِیْئًا - (سرالشہادتین) ترجمہ (اے حسین!) اگر میرا وہی قاتل ہے جو میرے گمان میں ہے تو اللہ تعالےٰ بڑا بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر وہ قاتل نہیں جسپر میرا گمان ہے۔ تو میں نہیں چاہتا کہ تم بے گناہ کو میرے واسطے مارو۔

اللہ اکبر آپ کس قدر پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے ؎

وا ۔ کیا حلم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہوا ۔۔۔ پھر بھی ایذا ے ستمگر کے روادار نہیں

کاش ہم مسلمان بجائے فرضی ماتم کرنے کے ان کے پاک اخلاق سے پورا پورا سبق سیکھ کر اسلامی صداقت کے اخلاق کا زندہ نمونہ بنیں۔ تاکہ ہماری ہمسایہ قومیں جو روحانیت کی پیاسی ہیں۔ اسلامی چشمہ حیات سے سیراب ہونیکے لئے آگے بڑہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ +

فسق و فجور

یزید۔ ایک محترم باپ کا نالائق بیٹا۔ ایک معزز صحابی کا بدکردار جانشین عصیان و تمرد کا پتلا۔ فسق و فجور کا مجسم پیکر ایک سرکش شیطان جو انسان کا روپ بدلکر جامۂ مسلمانی سے اپنی باطنی خباثت کو چھپا کر تخت و تاج کا مالک بنا تھا۔ اسلئے کہ شریعت الہیٰ کے مقدس قوانین کو پامال کرے۔ نبی کریم کے اسوہ حسنہ کو اپنے گناہوں کی تاریکی میں چھپائے۔ جمہوریت و حریت اور عدل و انصاف کو مٹا کر فرعونیت قائم کرے۔ فسق و فجور کے بازار کو رونق دے۔ ہوا و ہوس کی تجارت کو چمکائے۔

وہ جس نے شیطانی جذبات سے مغلوب ہوکر اپنے محسن و مشفق آقا۔ اپنے برگزیدہ نبی کے چہیتے نواسوں کو نہایت بے رحمی و بے دردی سے شہید کرایا جس نے امام حسین علیہ السلام انکے اعزار و اقارب اور اُنکے پارہ دل کو کربلا کے دشت غربت و بیکسی میں پانی کی ایک ایک بوند سے ترسایا۔

وہ جو آج بعض اسلامی حلقوں میں شقی و مردود کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے جسکو لعنت و ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جسکی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔ جسکا نام سُنکر محبان اہلبیت کے دلوں میں نفرت و غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

افسوس کہ آج اس فاسق و فاجر مسلمان کے قدم بقدم چلنے والے اور اس ظالم و جابر بادشاہ کے بُرے نمونہ کی پیروی کرنے والے ہم مسلمانوں ہی میں لاکھوں کروڑوں پیدا ہوگئے ہیں اور بدقسمتی سے اونکی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جو زبان سے یزید پر لعن طعن کرتے ہیں۔ دل میں اس سے نفرت

رکھتے ہیں۔ لیکن با این ہمہ اسکے اعمال خبیثہ کی پیروی کو معیوب نہیں سمجھتے۔ جنکے اخلاق و عادات۔ اطوار و کردار میں فسق و فجور اور ظلم و جور کا رنگ اسقدر غالب ہو گیا ہے کہ آج ان کو دیکھکر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ لوگ محب حسین اور دشمن یزید ہیں۔

حضرت امام عالی مقام نے اپنا اور اپنے سامنے اپنے عزیزوں اپنے دل کے ٹکڑوں کا گلا کٹوایا۔ ہزاروں تکلیفیں اٹھائیں سینکڑوں مصیبتیں سہیں پیاس سے سوکھی ہوئی معصوم زبانوں کو دیکھا۔ زخموں کی ٹیس سے کراہنے والوں کی دردناک صدائوں کو سُنا۔ اسلئے نہیں کہ نعوذ باللہ انکو یزید کے ساتھ کوئی خود غرضانہ خصومت تھی۔ اسلئے نہیں کہ وہ یزید کے تخت و تاج پر قبضہ کرنا چاہتے تھے بلکہ اسلئے کہ وہ ایک مصلح اعظم خاتم النبیین کے نواسے تھے۔ انکی پاک نظر کو فسق و فجور اس سے زیادہ کریہ معلوم ہوتا تھا جتنا کہ ہم کو شدید ترین کفر معلوم ہوتا ہے۔ وہ دُنیا کو دکھانا چاہتے تھے کہ سچے مسلمان ظلم و جور اور فسق و فجور کے استیصال و انسداد کے لئے اپنے اور اپنے بچوں کی جانوں کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ وہ تیروں اور تلواروں کی بارش اپنی حق پسندی و تقوی شعاری کی مثال قائم کرکے اپنے ناناجانؐ کی امت کو عملی نصیحت کرنا چاہتے تھے کہ خبردار فسق و فجور اور ظلم و جور کا رویہ اختیار نہ کرنا کہ ان کی وجہ سے تمہارے برگزیدہ رسول کے نواسے پر میدان کربلا میں ایسی مصیبتیں پڑی ہیں

لیکن آہ۔ اُمت۔ غم حسینؓ میں ماتم کرنے والی اُمت نے شہادت کی اس حقیقت کو فراموش کردیا۔ آج آنکھیں مصائب حسینؓ پر روتی ہیں ماتھ پاؤں اور زبانیں یزید سے انتقام لینے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن فسق و فجور اور ظلم و جور کہ جنکے ہاتھ میں یزید محض ایک آلہ تھا ان سے کچھ تعرض نہیں کیا جاتا۔ یزید کو

نام سے نفرت ہے لیکن اسکے کاموں کی علاً قدر کیجا رہی ہے۔ لاکھوں مسلمان ہین جنھوں نے قرآن پاک کو پس پشت ڈالدیا ہے۔ جو شریعت مطہرہ کے مقدس احکام کی علانیہ تحقیر و تذلیل کر رہے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے۔ نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کے پاس نہیں پھٹکتے۔ دوسرون کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔ غریبوں کو ستاتے ہیں مظلومون کو تنگ کرتے ہیں۔ ماں باپ اور بیوی بچوں کی خبر نہیں لیتے۔ شراب خواری۔ عیاشی۔ قمار بازی۔ عیش و عشرت اور نمود و نمائش میں روپیہ برباد کرتے ہیں۔ محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں۔ پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغ بازی۔ تاش۔ شطرنج۔ چوسر اور چپیی میں وقت گنواتے ہیں۔ معاملات میں بددیانتی کرتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں چوریاں کرتے ہیں۔ اظہار حق صداقت سے ڈرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ انکو نقصان اور تکلیف پہنچانے کی تجویزیں سوچا کرتے ہیں۔ حکام سے جاکر جھوٹی شکائتیں کرتے ہیں۔ فسق و فجور کے مجمعوں کو رونق دیتے ہیں فاسق اور فاجروں سے دوستانہ میل جول رکھتے ہیں۔ عرسوں اور مجلسوں مین بازاری عورتوں کا ناچ کراتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آؤ فسق و فجور اور ظلم و جور سے تائب ہوں۔ اور عہد کریں کہ آئندہ ہم اپنے اعمال میں یزیدیت کی جھلک نہ آنے دینگے۔ امام حسین علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھکر انکی حق پسندی انکی تقویٰ شعاری کی تقلید کرینگے۔ ان کے قدم بقدم چلکر فساق و فجار کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش وافر سے کام لینگے۔ خوشا نصیب ان لوگوں کا جو شہادت حسینؑ کی یہ عملی یادگار قائم کرکے امام مظلوم کی روح پر فتوح کو خوش کرینگے۔

مراسمِ محرّم

ذیل میں ہم عشرۂ محرم کی مروجہ مذہبی اور غیر مذہبی مراسم پر سرسری نظر ڈالکر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان میں کون کون سی خرابیاں ایسی ہیں جو محض جہالت یا بعض اوقات غلو محبت کی وجہ سے رائج ہو گئی ہیں۔ اور جو خلاف شرع مخرب اخلاق و عادات اور مضیع مال و اوقات ہونے کی وجہ سے قابل اصلاح ہیں۔ ہمیں حضرات اہل تشیع کے مخصوص مذہبی معتقدات و احکام مذہبی کا علم نہیں ہے اور نہ ہم انسے کچھ تعرض کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مخاطب صرف اہل سنت والجماعت ہیں اور انہیں کے نقطۂ نظر سے ہم مندرجہ ذیل مراسم کے محاسن اور مفاسد پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) **مجالس ذکر شہادت** عام طور پر علمائے اہلسنت اِن مجالس متبرکہ کو ازدیاد محبت اور خیر و برکت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر اسی صورت میں کہ مندرجہ ذیل شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔

(۱) اِن مجالس کا نام مجالس عزا نہ رکھا جائے۔ انکے انعقاد کی غرض یہ نہ ہو کہ سیّد الشہداء کے مصائب پر گریہ و زاری و نوحہ و ماتم کیا جائے۔ بلکہ غرض یہ ہو کہ ذکر شہادت سے عبرت اور سبق حاصل کیا جائے۔ امام حسینؑ کے اخلاق محاسن اور فسق و فجور کے مفاسد کو ظاہر کیا جائے تاکہ محبت اہلبیت اور انکے نیک نمونہ کی پیروی کا شوق پیدا ہو۔

(۲) بے بنیاد روایتیں، غلط قصّے اور ایسے مرثیے جنمیں شہادت کے اخلاقی و اصلاحی پہلو کو نمایاں نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جنمیں شاعر کو اپنا ادبی کمال

ورنہ نا یا سامعین کو رلانا ہی مقصود ہوتا ہے ان مجالس میں نہ پڑہوانے چاہئیں۔

(۳) ذکر شہادت کا سنانے والا ذی علم اور متقی ہونا چاہیئے۔ فاسقوں اور فاجروں سے پڑھوانا سخت گناہ اور موجب وبال ہے۔

(۴) ادب و خاموشی کیساتھ ذکر خیر کو سننا چاہیئے۔ اور بار بار درود شریف کا ورد رکھنا چاہیئے۔ جو لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور چیخ چیخ کر پڑھنے والونکو داد دیتے ہیں۔ یا خواہ مخواہ رونے لگتے ہیں وہ ذکر اہلبیت کی توہین کرتے ہیں۔

(۵) مکان مجلس کو آراستہ کرنا۔ اسمین فرحت و سرور کا سامان مہیا کرنا۔ ضرورت سے زائد روشنی کرنا۔ سب لغو بلکہ فضول اور گناہ ہے۔

(۶) زبانی یا تحریری دعوت دیکر اعزا و اقارب کو شرکت مجلس کے لئے بلانا اور انمیں سے کسی کے شریک نہ ہونے پر کبیدہ خاطر ہونا یا آئندہ کسی موقعہ پر اسکا بدلہ اتارنا سراسر ناجائز ہے۔

(۷) نام و نمود کیلئے اپنی حیثیت سے زاید تقسیم تبرک میں خرچ کرنا اسراف اور ریا ہے نہ کہ عبادت۔

۲۔ خیرات محرم مین خیرات بہت زیادہ کیجاتی ہے لیکن افسوس کہ وہ مستحقین کو نہیں پہنچتی اور نہ اسمین مقتضائے وقت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر نیاز کیلئے شربت۔ کھچڑا۔ شیرینی یا روٹیوں ہی کی ضرورت ہے (اگرچہ یہ ضرورت بھی کہیں سے ثابت نہیں ہے) تو تبرک کا تقسیم کرنے کیلئے یہ چیزیں بھی تھوڑی تھوڑی سی فراہم کر لینی چاہئیں۔ ورنہ مناسب تو یہ ہے کہ جسقدر رقم ان چیزون مین صرف کیجاتی ہے۔ بجائے اسکے اس قسم کے کمبل خرید لئے جائیں اور بیواؤن۔ یتیموں اور محتاجونکو تقسیم ہوں۔ تاکہ اس قحط اور طاعون کے زمانہ مین انکو جاڑے سے پناہ ملے۔ اور وہ تمام عمر دعا دیتے رہیں۔

۳۔ سبیلیں سبیلوں کی آرائش میں سینکڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے جھاڑ فانوس اور قندیلوں سے بازار و نکو سجایا جاتا ہے۔ فساق و فجار کا مجمع ہوتا ہے۔ ہنسی مذاق ہوتا ہے

بعض جگہ بازاری عورتوں کو نچایا جاتا ہے۔ الغرض آجکل سبیلوں کو بھی عموماً میلہ اور تماشا بنا لیا گیا ہے۔ جن سے اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ مال ضائع ہوتا ہے۔ اور اسی لئے قدرتی طور پر ان سبیلوں سے امام عالی مقام کی رُوح کو صدمہ پہنچتا ہوگا۔ پس محبان اہلبیت کا فرض ہے کہ وہ ان تمام فضولیات کی اصلاح کریں۔ اور نہایت سادگی۔ صفائی۔ اور پرہیزگاری کے ساتھ سبیلیں بنائیں اور گرمیوں میں شربت یا پانی اور جاڑے میں چائے تقسیم کریں۔ جاڑے کے موسم میں شربت تقسیم کرنا صحت کے لئے سخت مضر ہے اسلئے اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔

۴۔ **تعزیے** شرعی۔ اخلاقی اور تمدنی اعتبار سے شاید سب سے زیادہ فضول اور مضر رسم تعزیہ سازی کی ہے۔ مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ کاغذ و بانس کی شکل میں تبدیل ہو کر زیر زمین دفن ہو جاتا ہے۔ کچھ ڈھول تاشے والوں کی نذر ہوتا ہے۔ کچھ مرثیہ خوانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ اور کچھ بالائی اہتمام آرائش و انتظام وغیرہ میں صرف ہو جاتا ہے۔ کاش اس روپے سے سادات کرام کے غریب بچوں کو تعلیم دلائی جاتی۔ اور ہر جگہ حسینی مدارس کھولدئے جاتے۔ تاکہ ہر سال اُن کو معقول امدادیں ملتیں۔ مگر افسوس کہ شہادت عظمیٰ کی حقیقت کچھ ایسی نظروں سے اوجھل ہوئی ہے کہ ان مفید باتوں کیطرف خیال بھی نہیں جاتا۔ توہم پرست طبیعتیں چھانٹ چھانٹ کر ایسی ایسی رسمیں ایجاد کرتی ہیں۔ جنسے دین کا بھلا تو کیا ہوتا۔ دُنیا بھی غارت ہوتی ہے۔ کاش وہ سُنّی حضرات جو نہایت ذوق و شوق سے مہینوں پہلے سے تعزیہ سازی کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ ہماری ناچیز گزارش پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

(والسّلام)

"نظم"

سلام

(جناب محمد اکبر خان صاحب چودھری پروفیسر السنہ الشرقیہ)

دل کا برہم نظام کہدینا
آرزوئیں تمام کہدینا
حسرتوں کا پیام کہدینا
اے صبا اے پیمبر عشاق
اُن سے میرا سلام کہدینا

اے نسیم بہار کے جھونکو
نکہت مشکبار کے جھونکو
بادِ عنبر نثار کے جھونکو
چھیڑ کر اُن کے کاکل پیچاں
اُن سے میرا سلام کہدینا

اہلِ گلشن پہ لُطف فرمائیں
سیر گلشن کو وہ اگر آئیں
غنچہ و گل سے دِل جو بہلائیں
روک کر عندلیب خوش الحاں
اُن سے میرا سلام کہدینا

نیلگوں آسمان کے تارو
چرخِ نیلوفری کے سیّارو
دل کے ٹکڑو، نگاہ کے پیارو
وہ اگر دیکھ لیں کبھی تم کو
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

ماہِ تاباں کی منتشر کرنو
منبعِ نور کی نظر کرنو
پھیلنا جب اِدھر اُدھر کرنو
چوم کر اُن کے عارضِ زیبا
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

اے شبابِ جمال و رعنائی
اے فریبِ خیال و بینائی
اے گلِ گلستانِ زیبائی
ہاں سما جائیں وہ اگر تجھ میں
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

چشمِ میگوں، شراب کے ساغر
جامِ بردوش اور خُم در بر
برقِ تسنیم، آتشِ کوثر
پردۂ دل میں ہو کے پردہ نشیں
اُن سے میرا سلام کہہ

زلفِ پیچاں تری پریشانی
ہمت افزائے فتنہ سامانی
اے شبِ تار کی پشیمانی حلقۂ گوش بن کے او نادان
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

شعلۂ نورِ عارضِ تاباں
ماہتابِ تجلئ لرزاں
تیرا ہر رنگ لطف کا عنواں آئینہ ان کے سامنے رکھ کر
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

اے لبِ لعل گوں پیامِ نشاط
تیرا ہر ارتعاش جامِ نشاط
تجھ سے قائم ہے آج نامِ نشاط چوم کر تو زباں کو اُن کی
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

اے تبسم حریفِ شرم و حیا
اے مسرت کے نغمۂ پیدا
تجھ سے آباد کیف کی دنیا مرتعش ہو کے لعل گوں لب پہ
اُن سے میرا سلام کہہ دینا

۶۶۹

تنظیم قوائے اسلامیہ

(جناب ایس۔ ایم۔ رمضان صاحب مسرور)

(گذشتہ سے پیوستہ)

خاص اصول کی پابندی ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو منزل مقصود تک صحیح رہنمائی کر سکتی ہے۔ ہنود میں جو بیداری نظر آرہی ہے۔ وہ بھی اسی کا ایک کرشمہ ہے۔ قوم کے مدبر اور اہل قلم "ہندو سنگھٹن" پر اپنی توجہ مبذول کر رہے ہیں اور قوم کی اس بیداری سے فائدہ اُٹھانے میں مصروف ہیں۔ وہ تمام ہندو قوم کو بلا لحاظ مختلف رسم و رواج کے ایک نظام میں باندھنا چاہتے ہیں۔ اُن کی طرف سے اس سمت میں قدم اُٹھ چکا ہے۔ جس اخبار کو اٹھا کر دیکھئے "ہندو سنگھٹن ہندو قوم جاگ! اور متحد ہو کر جی!!" پر پُر مغز مضامین نظر سے گزرتے ہیں۔ ایڈیٹر اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عوام کو اسکی ضرورت کا احساس دلانے میں کوشاں ہیں۔ قوم میں یگانگت پیدا کرنے کی خاطر مضمون پر مضمون شائع ہو رہے ہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ ملک کیلئے یہ ایک نیک فال ہے۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے یہ ایک زبردست تازیانہ عبرت ہے۔ ہمیں دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر خوش ہونا چاہیئے۔ لیکن واقعات و حالات سے متاثر ہو کر ہم پر بھی لازم ہے کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہم بھی قدم بڑھاتے چلے جائیں۔ ہر ایک قوم ہر پہلو میں ترقی کر رہی اور اپنی فلاح و بہبود کے وسائل سوچنا ضروری ہیں۔ ہمسایہ اقوام بیدار ہو کر اپنے تنظیم و نسق میں ہمہ تن مشغول ہوں۔ اور شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جائیں۔ تو ایک اولوالعزم قوم کا اپنے جمود و غفلت کی وجہ سے

پیچھے رہ جانا باعث ندامت و ہزیمت ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ مسلمان بھی ہمسایہ اقوام کے ساتھ ساتھ ترقی کریں۔ ایک نظام کے تحت میں آجائیں۔ اپنے فراموش کردہ اصول کو از سرِ نو تازہ کریں۔ زمانہ مختلف صورتوں میں مسلمانوں کو سبق عبرت دینے پر تلا ہوا ہے۔ اب مسلمانوں کا اپنا کام ہے کہ وہ اپنی متاع عقل و ہوش کو کام میں لائیں۔ خود بیدار ہوں اور دوسرے بھائیوں کو بیدار ہونے کی ترغیب دیں۔ ہر ایک مسلم اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے۔ اپنے میں اعلےٰ اخلاق پیدا کرے۔ اور اپنے اقوال و اعمال سے "مسلم" ہونا ثابت کر دے۔ زبانی جمع خرچ لاحاصل ہے۔ ٹھوس اور عملی کارروائی کی اشد ضرورت ہے۔ فتنۂ ارتداد اپنی ہی غفلت اور عدم تبلیغ و اشاعت کا نتیجہ ہے۔ اسے بھی درس عبرت نہ سمجھا گیا تو مسلمانوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

فتنۂ ارتداد سے کسی مسلم کو مغموم خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ ہر ایک فرد بشر کو اپنے اعتقادات بدل لینے کا حق حاصل ہے۔ اگر اعتقادات پختہ ہوں۔ تو دنیا کی کوئی طاقت اُن میں تبدیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر ڈھلمل یقین ہو۔ تو ذرا سبز باغ دکھلانے ہی سے نقشہ بدل سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ امر نہایت غور طلب ہے۔ کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی غفلت کا نتیجہ ہے۔ فتنۂ ارتداد کے علاقے میں اگر اس سے پہلے اسلام کی تبلیغ و اشاعت خاطر خواہ پیمانے پر ہوئی ہوتی۔ تو آج یہ اضطراب و پریشانی کا سامنا نہ ہوتا۔ بے موقع چیخ و پکار رائگان جایا کرتی ہے۔ اگر وہ لوگ اسلام کے فضائل و حقائق سے واقف ہوتے۔ اور نور ایمان سے اُن کے قلوب منور ہوتے۔ تو کیا یہ ممکن تھا۔ کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں دین متین کو الوداع کہنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اگر اسلام کی قدر و منزلت اُنکے دلوں میں

موجود ہوتی۔ تو آج اُن کا مرتد ہونا آسان نہ ہوتا۔

قطع نظر اس علاقہ کے۔ اگر آپ بنظر غائر تمام ہندوستان میں اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عامتہ الناس عام طور پر مذہبی عقائد و اعمال سے کس قدر ناواقف ہیں۔ فرائض کی پابندی کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا رکھا ہے۔ وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اور وہ بھی اسلئے کہ مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے ہیں۔ جہالت کا دَور دَورہ ہے۔ اب خود ہی سوچیں کہ جب ایسی حالت ہو۔ اور سادہ لوحی اسدرجہ پر موجود ہو۔ تو دل کی ہیئت بدل دینے کے لئے خوشگوار منظر پیش کرنا ایک قدرتی اثر رکھ سکتا ہے۔ ممکن ہے متعدد مقامات کا اسلام کی مخالف کوششیں ایسا رنگ لانے میں کامیاب ہو جائیں۔ پھر کفِ افسوس ملنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ چونکہ مدافعت فرض ہے۔ لہذا اب ذرا بھی تساہل و تغافل سے کام لینا اپنے ہاتھوں مایوسی خریدنے کے مترادف ہوگا۔ اگر کوئی خاطر خواہ مستقل انتظام نہ کیا گیا۔ تو ہمیشہ مایوسی واضطراب پر اجائے پیشِ نظر رہینگے۔ "گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط" اگر اب بھی کوتاہی رہی۔ اور کوئی صحیح راستہ اختیار نہ کیا گیا تو نتیجہ ظاہر ہے مسلمانوں میں دولت اور تعلیم کی کمی تو بیشک ہے۔ لیکن انتظام کی کمی اور بھی غضب ڈھا رہی ہے۔

مسلمانو! توکل علی اللہ اور اولوالعزمی کو ہاتھ میں لیکر اٹھو۔ حوصلہ۔ استقلال اور مستعدی سے کام شروع کر دو۔ ہر ایک مشکل پر حاوی ہونے کیلئے عزم صمیم کر لو۔ "ہمت مرداں مددِ خدا" کامیابی و کامرانی آپکے قدموں پر نثار ہوگی۔ خورشیدِ اقبال پھر اسی آب و تاب سے چمکے گا۔ دینی اور دنیوی مقاصد بر آئینگے۔

فلسفۂ اسلام اور مقاصدِ اسلام پر بنظرِ تعمق غور و خوض کرنا لازمی ہے۔ خود ارکانِ اسلام کے ادا کرنے میں وہ راز نہاں ہیں۔ جسے زمانہ آج حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے۔ ہر ایک بات میں "مساوات"، "محبت و اخوت" اور "اتحاد" کا عملی سبق ملتا ہے۔ لیکن عام طور پہ آج مسلمان ان زرین اصول سے بے بہرہ ہیں۔ اسلام تو پکار پکار کر دعوتِ حق دیتا ہے۔ لیکن بہت کم اسکی آواز پر لبیک کہنے کو تیار نظر آتے ہیں۔ اس تساہل و تغافل کا سبب عدم تبلیغ و اشاعت میں اور کسی تسلی بخش انتظام و لائحہ عمل نہ ہونے میں مضمر ہے جبتک رہبرانِ قوم و ملت تمام طاقت کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش نہیں کرتے اور نظم و نسق کا لائحہ عمل مسلم قوم کے سامنے پیش نہیں کرتے۔ کسی خاص کامیابی کا ظہور پذیر ہونا عنقا صفت ہے۔ ضروری امر ہے۔ کہ اسلام کے معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی ایک خاص "اسلامی مرکز" کی طرف سے قواعد و ضوابط وضع کئے جائیں۔ تاکہ اسلام اپنے اصلی معنوں میں جلوہ گر ہو سکے۔ مجالس میں مولود شریف کی محفلوں میں۔ وعظ و نصیحت کے جلسوں میں۔ جلوسوں اور دیگر اجلاسوں میں تمام کارروائی کسی خاص ضبط و انتظام کے تحت میں ہونی چاہیئے ان امور کے لئے خاص قواعد و ہدایات ہونے چاہئیں۔ جن سے وقت کی پابندی۔ اور دیگر ضروری امور ملحوظ خاطر رہیں۔ تاکہ اسلام کے ہر ایک قدم پر سطوت و شوکت کا اظہار ہو۔ اور حسن و انتظام کے دلکش اثرات سے عوام کے قلوب متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔

اہلِ اسلام کے لئے ایک نادر موقعہ ہے۔ کہ وہ بنیادی اصول مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ اور تعمیری پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی مساعی کو کام میں لائیں۔ کسی خاص نظام کے ماتحت ہی وہ معراجِ ترقی پر فائز ہو سکتے

ہیں۔ غیر مسلم اقوام کے مذہبی جلسوں کی کارروائی دیکھنے کا اتفاق ہو۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ تمام ضروری باتوں کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا ہے۔ وقت کی پابندی کا پورے طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ سامعین کے لئے نشستوں کا انتظام عمدہ طریق پر ہوتا ہے۔ سب سے بڑھکر غور طلب بات یہ ہے۔ کہ دیگر اقوام کے آنے والے اشخاص کے لئے چند آدمی خاص طور پر مامور کئے جاتے ہیں۔ جو اُنھیں بلا تمیز مذہب و ملت نہایت تپاک اور اخلاق سے مناسب جگہوں پر بیجا کر بٹھاتے ہیں۔ یہ اخلاق کی چھوٹی چھوٹی باتیں عوام الناس پر خاص اثر رکھتی ہیں۔ اسلامی جلسوں میں یہ باتیں مفقود ہیں۔ اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر کہیں اس امر کا خیال کیا بھی جاتا ہے۔ تو نہایت بے پرواہی سے۔ جن شخصوں کو ایسے کاموں پر لگایا جاتا ہے وہ رضا کار اپنے فرائض ادا کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں۔ جلسوں کی کارروائی پھیکی رہتی ہے۔ کیونکہ اپنی قوم کے آدمیوں کی بھی مناسب آؤ بھگت نہیں ہوتی۔ دیگر اقوام کے افراد خواہ وہ جلسوں میں کسی نیت سے بھی شرکت کریں "خیر مقدم" نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کے فضائل و حقائق سننے سے محروم رہجاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا تجربہ اُنھیں دوسری دفعہ جانے سے روکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

کبیر جیون ساکھی:۔ یعنی کبیر داس کے حالات زندگی۔ کبیر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں کوئی کہتا ہو کہ کبیر ہندو تھے کوئی مسلمان بتاتا ہو۔ لائق مصنف نے نہایت تحقیق سے کبیر کے حالات زندگی اس کتاب میں قلمبند کئے ہیں اور کبیر کے اشعار معہ اردو شرح کے درج ہیں۔ آخر میں تلسی داس کے حالات زندگی بھی درج ہیں۔ قیمت آٹھ آنے۔

چمنستان سخن:۔ حضرت منشی احمد دراز خانصاحب عاجز عطائی پوری اور جناب منشی رفیق محمد خانصاحب قائم گنجوی تلمیذ حضرت نوح ناروی کے ہم قوافی الف سے ی تک غزلیات کا مجموعہ۔ قیمت آٹھ آنے ✚ ملنے کا پتہ:۔ دفتر اُردوئے معلّٰے دہلی

دُرِّ یتیم

(جناب منشی احمد علی صاحب شوقؔ قدوائی لکھنوی)

(۴)

خوابِ فنا و خوابِ تو حسن ہے جاگنا محال
نیند عدم کے بیچ سے چھوٹ کے جاگنا محال

ملک ہیں ہستی و عدم دونوں میں اک حجاب ہو
اُٹھ نہ سکے کسی طرح بیچ میں جو نقاب ہو

راز خدا ہو وہ حجاب جسم حیات سے نہاں
روح کی ذات پر عیاں جسم کی ذات سے نہاں

ہر عمل حیات ہو روح بشر کے سامنے
جیسے ہو عکس آئینہ اپنی نظر کے سامنے

زور سے ہی ہو دستِ روح کچھ وہ عطا نہ کر سکے
حق یتیم سے گئی اور ادا نہ کر سکے

روح پہ رہنے دو حجاب جسم کا رُخ دکھاؤ شوق
جانب گور ابھی نہ جاؤ جانب خلق آؤ شوق

طفل یتیم دیدہ پیڑ اور زمانہ ہے ہوا
پیڑ ہوا کے زور سے ہوگا کج اور بدنما

خلق کرے جو تربیت سوکھنے بھی نہ جائے وہ
ہو کے نہال راستی باغ جہان میں پائے وہ

تربیت اس یتیم کی کوئی کریگا یا نہیں ؟
خلق تو کیا، خدا سے بھی کوئی ڈریگا یا نہیں

قوم سے کیا کروں سوال جو الم اُس سے کیا ملا
ہاں میں کہوں تو حال قوم مجھکو اگر خدا ملے

یہ بھی کہوں کہ اپنے کھا اپنی کرم کا ہاتھ تو
یا تو ابھی جوان کر یا تو رہ اسکے ساتھ تو

ایک مرا یتیم کیا ایسے ہیں سیکڑوں یتیم
پھرتے ہیں نامرادیوں جیسے گدائے بے کریم

سامنے ہیں وہ دو یتیم راہ میں ایک دور پہ ایک
دیکھئے اُن کو دونوں ہاتھ دل پہ ہیں ایک سر پہ ایک

سینے میں دل لبوں پہ آہ گرم یا ور سرد وہ
چہرۂ و چشم خون فشاں سرخ یا ور زرد وہ

سمت و چشم منتظر گردش کے سکون اسی
روگ ہے دل دماغ کو داغ لے جنون آ ہے

وہ جگر و دل یتیم چوٹ اُدھر ہے صبر اِدھر
جان و بدن کی منتظر چھوٹ اُدھر ہے قرار اِدھر

پھرتے ہیں کچھ تو مانگتے رہتے ہیں کچھ ہر گھر ہو سٹانے
بھوک سے کچھ ہیں بے حواس مر رہے ہیں کچھ پڑے ہوئے

بھائی امیر یہ غریب کے بھی ذرا اور نہیں بچا ہے
گھر ہی کہیں تو یہ کہیں ہے بھی گھر اور نہیں بچا ہے

کچھ ہیں مرض میں مبتلا انکو دوا پلائے کون
کچھ ہیں غریب بے غذا انکو غذا کھلائے کون

کوئی تپاں ہے خاک پر دردے نصیب ہے
کوئی کراہتا ہے یوں جیسے اجل قریب ہے

قوم اسے جانتی ہے غیر گرچہ عزیز ہو یتیم
جلتی ہے اوسپہ تیغ قہر گرچہ دل اوسکا ہو دو نیم

کہتا ہے کوئی ہٹ ادھر کہتا ہے کوئی دور ہو
چوٹ جگر کی کھا گئی دل درد جگر ضرور ہو

ایک یتیم کا بدن لاکھ بلائیں آس پاس
عیش و نشاط دور دور رنج و غم آئیں پاس

بخت ہے ہم سواد شب چشم ہے ابر ژالہ بار
نبض ہے رشتہ دار تپ قلب ہے دست رعشہ دار

پیلے ہے برہنہ میں خار فرق برہنہ پر ہے گرد
پائے برہنہ سرخ سرخ فرق برہنہ زرد زرد

داخل قلب غم کی تپ شامل حال ابتری
برگ خزاں سے ملتی ہے خشکی و زردی بیکری

شکل جو سر کی دیکھئے گرد میں سر ہے سر پہ گرد
حال جو دل کا پوچھئے درد میں دل ہے دل میں درد

ارض و سما کی طرح دو جاہ سے یہ تو اٹھے جاہ
ضم ہیں بہ شکل روح و جسم آہ سے دل دل سے آہ

رہتے ہیں دونوں ہم نوا لب سے فغاں فغاں سے لب
ہو نہ سکیں کبھی جدا تپ سے بدن بدن سے تپ

انس پذیر بھوک میں صوم سے یہ تو ان سے صوم
ایک تو ہیں مگر جدا قوم سے یہ تو ان سے قوم

آتش رنگ سرد ہے چہرہ سرخ زرد ہے
جسم ہے اور گرد ہے جان ہے اور درد ہے

فکر ہے انقلاب میں عقل ہے پیچ و تاب میں
قلب ہے اضطراب میں روح ہے التہاب میں

لے لیا گر یتیم کو گور بغل میں پیار سے
چین نہ پائے وہ کہیں جبر کے اختیار سے

موسم سرد کی وہ برف موسم گرم کی وہ لو
اوسنے کیا بدن کو سرد اسنے جلا دیا لہو

اوس سے نہیں کہیں پناہ اس سے نہیں کہیں مفر
جائے برہنہ تن یتیم جز تہ خاک اب کدھر

زندہ ہے تو برہنہ تن تا مرگ پیرہن نہیں
جب وہ مرا تو قوم میں اوسکے لئے کفن نہیں

کاش ہوں قوم کے سخی مثل شجر ثمر فشاں
ہوں وہ یتیم کے لئے صورت مہر زر فشاں

کاش ہو غل کہ قوم میں رحم کی اب ہوا چلی
ہو گا شگفتہ ہر یتیم جیسے نسیم کی کلی

لوگ سمجھتے ہیں گل، باغ نعیم سے حسین
آہ ہیں مرے خیال میں روتے یتیم جو حسین

چشم خرد سے دیکھئے حسن مزید کس میں ہو
رنگ بہار اوس میں ہو نگہ امید اسمیں ہے

زینت قوم اسکا رخ زینت شاخ جو اسکا رو
بہار امید انکی ترح باد ہوائی اوسکی بو

کون امید وہ امید جو کہ بنائے اوج قوم
ہوتی ہو جسکے زور سے فتح نصیب فوج قوم

کون امید وہ امید جس پہ مدار زندگی
جس سے ہو اعتبار قوم جس پہ وقار زندگی

گر نہ امید ہو تو ہیم تار نفس کو توڑ دے
رب سے ہو جو مرے یا نفس روح بدن کو چھوڑ دے

پھیرے کوئی رخ یتیم سے کاش نہ منہ چرائے قوم
کاٹ دے کے پیڑ امید کا پھل جہاں نہیں پائے قوم

کیا ہو یتیم با ہنر قوم جدا جسکو زر نہ دے
ہو نہ فخر کبھی جسمیں رنگت اگر فقیر نہ دے

طفل کو پختہ کار علم قوم کی مہر ہی کرے
دے نہ کو پختہ گر کبھی مہر سپہر ہی کو دے

لطف یتیم لطف قوم درد یتیم درد قوم
قوم ہی مثل جسم ہے عضو ہے ایک فرد قوم

عضو ہوا جو دردناک جسم بھی مبتلا ہوا
عضو جو ایک بھی مٹا جسم کا جزو کم ہوا

باغ ہے قوم طفل طفل صورت نونہال باغ
خشکی ہر نہال ہے اک سبب زوال باغ

کس سے امید رحم ہو رحم کسی کی خو نہیں
جسمیں ہو جوش حب قوم قوم میں ایسا ہو نہیں

قوم کا آسرا نہو تب بھی کچھ آسرا تو ہے
کوئی نہیں یتیم کا خیر نہو خدا تو ہے

شکوہ ہے کسی کرے جب وہ خدائے پاک سے
عرش ہلے یتیم کے نالۂ دردناک سے

تم کو جہیں ہوا وسیہ رحم اوسکو خلق ہی تو ہو
رحم کرو یتیم پر مذہب حق یہی تو ہے

پڑھ کے امیر ہو یہی پڑھ کے حکیم ہو یہی
جس کو یتیم کہتے ہو در یتیم ہو یہی

علم سے نامور بنے فہم سے باہنر بنے
جہد سے اہل زر بنے فیض سے ابر تر بنے

بخت میں ہو یہی چمک مہر میں جیسے نہ ہو
دل میں رہے خیال نیک خلد میں جیسے حور ہی

ہوتا ہے آج تو یہ خوش دیکھ کے لال لال پھل
لائیگا باغ عمر میں کل یہی نونہال پھل

کس لئے تیوریاں چڑھی ہیں یا نظر اگر غضب
لیکے گیا تھا آسرا روئے پھرا وہ بے نصیب

صرف کرم ہے یتیم فرض ہے ہر کریم پر
فخر کیا خدا نے بھی بردہ شش یتیم پر

(باقی آئندہ)

۷۸۶

اعلانِ حق

(از جناب ابرار حسین صاحب جھنجھانوی)

بُرا تو مانوگے بیشک ہمارے کہنے کا ٭ رُکے رُکے نہ رہیں دل میں جوش آئے ہوئے

واقعاتِ عالم پر نظر ڈالنے کے بعد مفتش اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں دنیا کی ہر وہ قوم جو عہدِ ماضی میں ایسے توہین آمیز الفاظ سے یاد کیجاتی تھی کہ جنکو اسوقت اپنی جانب منسوب کیا جانا یقینًا کوئی قوم گوارا نہیں کرسکتی۔ آج میدان ترقی میں نہایت سرعت سے گامزن ہے۔ اور اقوامِ عالم میں ایک باحیثیت شمار کی جاتی ہے۔ صرف اگر خانہ جنگی۔ مفلسی۔ غلامی۔ ذلالت۔ بے احساسی۔ حقارت۔ مردہ دلی۔ غرض وہ تمام خرابیاں جوکہ دُنیا کی کسی قوم میں نہیں آج وہ اس قوم میں پائی جاتی ہیں جوکہ تہذیب۔ شائستگی۔ تمدن رحمدلی۔ انصاف۔ حکمرانی۔ شجاعت انسانیت۔ حکمت و علم کا مجسمہ بنکر دنیا میں نمودار ہوئی تھی۔ کہاں ہے اسکی وہ شجاعت۔ احساس۔ تہذیب و رواداری جو اسکو خداوند قدوس کی بارگاہ سے عطا ہوئی تھی اور جسکو قوم مسلم نے اپنا لائحہ عمل قرار دیا تھا۔ جسکی وجہ سے دُنیا کی وہ اقوام بھی جنکے لئے دُنیا جہنم بنی ہوئی تھی۔ اور جو بُری طرح ذلیل کی جاتی تھیں۔ زندہ جلا دی جاتی تھیں۔ اور کہیں امن نصیب نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے یہ مقدس اصول دیکھکر اسکے آغوشِ محبت میں پناہ لیتی تھی۔ اور ان کو دینی و دنیاوی آسائش و آزادی حتیٰ کہ مومنوں کی سرداری تک ملتی تھی۔ اور جسکے مقدس اصول دیکھکر دنیا کی بڑی بڑی قوموں نے اسلام کا خادم بننے کا فخر حاصل کیا تھا۔

وہ مذہب کہ جس نے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ آج وہ پرانی مسجدوں کے کھنڈرات میں ارکان وضو کی صحت۔ درستی۔ صحت نماز جنازہ وغیرہ وغیرہ چند محدود امور پر منحصر ہو رہا ہے۔ افسوس آج مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کے ان مبارک پاک مطہر ارکان جن پر عمل کرنے سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں صد ہا سال اپنی شجاعت و مردانگی۔ رواداری۔ علم و حکمت کا ڈنکا بجا چکے ہیں جسکے پاک اصول کو دنیا نے تسلیم کر کے اپنا ذریعہ معاش سمجھ لیا تھا اور آج بھی جسکے اصول پر کاربند ہونے سے یورپ کی قوم کس درجہ نمایاں حیثیت رکھتی ہے اپنے لئے ذریعہ تنزل و پستی سمجھکر ان سے متنفر ہوگئے ہیں۔

ہم مسلمانوں سے انکے اس جوہر کی بابت باز پرس کرتے ہیں اور یاد دہانی کراتے ہیں کہ جسکی وجہ سے غیر مسلم ممالک کے باشندوں نے اپنا ملکی مذہب اسلام کو قرار دیا۔ آبائی مذہب کو ترک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن معلوم نہیں کہ کیا منتر وہ لوگ پڑھتے تھے کہ غیر قومیں گویا مسحور ہو جاتی تھیں۔ منتر صرف یہ تھا کہ اپنے طرز عمل سے وہ لوگ دکھاتے تھے کہ مسلمان تمام امور میں دنیا کی بہترین قوم ہیں۔ مذہب گو اخروی خیال سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن عوام کے سمجھنے کے لئے کوئی ذریعہ چاہیئے۔ پس اس سے اچھا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے طرز معاشرت سے دنیا پر ثابت کر دیا کہ جو قوم دنیا میں ایسی سچی ایسی خلیق ایسی باقاعدہ ایسی منکسر المزاج ایسی بے طمع ہو اسکا حشر کیونکر برا ہو سکتا ہے اور جب اسکا حشر برا نہ ہوا تو اس کے ساتھیوں کا حشر کیونکر برا ہو سکتا ہے۔

اگر اسلام کے ان مبارک اصولوں کے پیروں کے کارناموں کو مثال کے طور پر ہی قلمبند کیا جائے تو ایک بڑی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے پیروان اسلام

کے رحمدل منکسر المزاج ۔ شجاع ۔ سخی ہونے کی دلیل میں صدہا کتابیں بھری پڑی ہیں ۔ جنکے مطالعہ سے تم کو بخوبی معلوم ہوجائیگا کہ اسلام نے دُنیا کو کیسا سبق دیا یہ سبق جوکہ رسول عربی نے پڑھایا تھا اور جسپر مسلمانوں کو ناز تھا اور تا رہے رواداری یعنی اور جبتک

چو عضوی بدرد آورد روزگار — دیگر عضوہا را نماند قرار

کے مقولہ پر عمل کرتے رہے تو مسلمان اپنے قانون کے لحاظ سے دُنیا میں خیر الامم سمجھے گئے ۔ اور دنیا پر انکی جبروت و سطوت کا جو سکہ بیٹھا ۔ وہ آج ہر قوم جانتی ہے مسلمانو جانتے ہو کہ تم کون تھے اور اب کیا بنگئے ۔

تمہیں تھے حکم و قلم کے لئے نمونشان — تمہیں تھے تاج و قلم کی ضیا بڑھائے ہوئے
تمہارے چرخ پہ چمکے ہوئے تھے پریوش — تمہارے تمغے تھے عالم میں جگمگائے ہوئے
ڈرے ہوئے تھے دلاور جہان کے تم سے — بہادروں میں تمہیں نقش تھے جمائے ہوئے
تمہیں تھے انجمن علم کی فروزاں شمع — تمہیں تھے ملک عمل میں علم اٹھائے ہوئے
تمہاری نوبت شاہی جہاں میں بجتی تھی — تمہارے سکے تھے آفاق میں بٹھائے ہوئے

اب آخر میں مسلمانوں سے درخواست ہے کہ اب تو اٹھو بہت سو چکے کبتک اس ذلالت و رسوائی کی نیند میں سوتے رہوگے ۔ اپنے مذکورہ بالا وہ ہتھیار جو کہ جناب رسول کریم کی معرفت درگاہ خداوندی سے تم کو عطا ہوئے تھے سنبھالو یاد رکھو کہ انہی ہتھیاروں کے ذریعہ سے اسلام پھیلا تھا اور یہی ہتھیار تمہارے مذہب کی تبلیغ کا ذریعہ ہے ۔ اور اب بھی انہی ہتھیاروں سے تبلیغ ہوگی ۔ اگر اب تمہاری آنکھیں نہ کھلیں تو یاد رکھو نہ صرف تبلیغ ۔ امن ۔ مذہبی آزادی ۔ بلکہ موجودہ تعداد جو تمہاری نظروں کے سامنے نظر آتی ہے اسکی بقا بھی ناممکن ہوجائیگی ۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ نے دین کی یا اپنے حبیب کی

اُمت کی مدد یا رہنمائی یا اصلاح فرمائیگا تو یاد رکھو اللہ تعالےٰ نے صاف فرما چکا ہی۔

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اُٹھو اور نصر من اللہ فتح قریب کا جانفزا مژدہ سننے کے لئے اپنے ودیعت شدہ ہتھیاروں سے دُنیا کو مسخر کرکے لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ کے موثر کلمہ کی حکومت کی غلامی میں لیلو۔ یاد رکھو کہ تمہاری اپنی اصلاح کرنا تمہارا اپنا فعل ہی۔ ذرا چشم بصیرت کو کھولکر دیکھو کہ وہ قومیں جو کل تک تمہاری غلامی میں رہیں آج تم پر ہنستی ہیں اور تم کو مطعون کرتی ہیں۔

یادِ الٰہی

(جناب غلام صفدر صاحب ثاقب دہلوی)

یادِ الٰہی متقیوں اور پرہیزگاروں کی خصلت سے ہے۔

یادِ الٰہی سینہ کا زنگ دُور کرتی ہے اور دِل کو تسلّی دلاتی ہے۔

یادِ الٰہی نفس کی قوت اور خدا کی ہمنشینی کا ذریعہ ہے۔

یادِ الٰہی یاد کرنے والے کو کامیاب سلسلہ میں داخل کرتی ہے۔

یادِ الٰہی چشم بصیرت کو روشن اور دل کو مانوس کرتی ہے۔

یادِ الٰہی سب مشکلوں کو حل اور سب کاموں کو آسان کرتی ہے۔

یادِ الٰہی امراض نفس کا علاج اور کل بیماریوں کی دوا ہے۔

یادِ الٰہی ایمان کا ستون اور شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

یادِ الٰہی یاد کرنیوالیکو اس سے نزدیک اور اسکی محبت دِل میں پیدا کرتی ہے۔

یادِ الٰہی محبت الٰہی کی کنجی ہے۔

یادِ الٰہی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے۔

یادِ الٰہی عارفوں کی محبوب اور عاشقوں کی سردار ہے۔

غزل

شکایاتِ شاکی

(حضرت شاکی شاہجہانپوری تلمیذ رشید حضرت شاد عظیم آبادی)

یہ کیا ہوا کہ تجھ نے مجھ کو کیوں اُٹھوا دیا ہے
کچھ پوچھتے ہو پوچھنا تھا یہ تو آسماں سے

تو کیوں نہ سمجھا اس زار کی زباں سے
قسمت بدل سے اپنی نکلے ہیں ارماں سے

ہے وادیٔ طلب میں نا شنوہ حسرتوں کا
اک کارواں کہ نکلا پیچھے ہی ہو رواں سے

یا ہم فلک سے کیا وہ اچھا کچل سمجھے ہیں
کیوں گریہ میں رہا تو نکلو آسماں سے

اب کیا کروں میں شکوہ تقدیر کے لکھے کا
جب خود لکھا کے لایا اللہ کے یہاں سے

رودادِ عاشقی کی وسعت نہ پوچھ ہمدم
لاکھوں بنیں گے قصے اک میری داستاں سے

کہتے ہیں شب کو تنہا چھوڑا تو کیا ستم ہے
رہتا ہے شب کو غائب خورشید آسماں سے

جیسے وصال میں تھا مجھ کو سحر کا کھٹکا
ویسے ہی فصلِ گل میں بُلبل رہی خزاں سے

میری لحد پہ آ کر کیوں پر جلے ہما کے
کیا سوزِ غم میں شعلے نکلے تھے استخواں سے

سجدے کئے ہزاروں لیکن تجھے نہ پایا
پھر کیوں نہ سر کو پھوڑوں سنگِ درِ بتاں سے

اک جنبشِ نظر میں ہے جان نذرِ قاتل
شاکی خدا بچائے اس مرگِ ناگہاں سے

اُردوئے معلّٰی

دہلی

اُردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

جو

ملک کے مشہور اہلِ قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہوکر

ہر انگریزی مہینے کی پندرہویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایکروپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پروپرائٹر

قربان علی بسمل

نے

اپنے شاہجہانی پریس کٹرہ گوکل شاہ دہلی میں چھپواکر شائع کیا

شاہجہانی پریس دہلی کی خاص مطبوعات

رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمہ

سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی چار سو سترہ ، رباعیوں کا ترجمہ نظم ہی میں
ن رباعیات عمر خیام اور سرمد. ہر فارسی رباعی کے تحت میں اردو رباعی
ج ہے. کتاب کی تقطیع بھی مذکورہ کتابوں کے برابر ہے. حضرت سلطان
الخیر کی رباعیاں تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں. حضرات صوفیہ کو رباعیات
ہر ور فیضیاب ہونا چاہیئے. قیمت بلا جلد ایک روپیہ مجلد ہاف بونڈ عہ مجلد پارچہ عمر

جم

سرمد مرحوم

معہ ترجمہ اردو جواہر منظوم. باضافہ رقعات حضرت سرمد حضرت
تابیت کی شہا سرمد شہید کا اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا

و شہ

خیام، استاد
وشعر، زمانہ کا قصہ سنا ہوگا لیکن حضرت مولینا ابوالکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ اس کا
زندگی، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے. پوری سوانح سرمد مولینا آزاد کے قلم سے ہے اور
قناعت کے ساتھ سرمد کی تمام رباعیاں بھی معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں. رباعیات سرمد اسلامی
تصوف اور عارفانہ چٹکلوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان اُن
کا مقابلہ نہیں کر سکتی. ترجمہ میں بھی سرمد کا مستانہ رنگ جھلک رہا ہے.

قیمت بلا جلد ۱۲، مجلد ہاف بونڈ ۱۴ار

رباعیات عمر خیام

معہ ترجمہ منظوم تاج الکلام جس میں عمر خیام کی مفصل
سوانح عمری بھی شامل ہے. سب سے پہلے عمر خیام
کا فوٹو ہے. اس کے بعد اسی صفحوں پر عمر خیام کی سوانح حیات ہے اور ایک سو باون
صفحات پر متن. جو نستعلیق فارسی کی عمر خیام کی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت
میں باریک قلم سے ملک الکلام کی اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں. الغرض پونے تین سو
صفحوں کا نادر مجموعہ مجلد ہاف بونڈ کا سوا دو روپیہ مجلد پارچہ ڈھائی روپے.

ملنے کا پتہ :- شاہجہانی پریس دفتر اردو ئے معلیٰ دہلی

مرقع عبرت (یا) ایک عیاش کی ڈائری

(بسلسلۂ گذشتہ)

دوسرا باب

انسان کے جسم میں جو حصہ حکمران بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ "دل" ہے۔ اور محبت کا پہلا حملہ اسی پر ہوتا ہے۔ اس لئے انسان اپنی آرزوؤں کی حدود سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دل کی وارفتگی اور شیفتگی کا پہلا اثر دماغ کو ماؤف اور عقل کو ناقص کر دیتا ہے اب ضمیر کی آواز کون سنے۔ لرزتے ہوئے اعضاء کی انحرافی جنبشوں پر کون توجہ کرے۔ نگاہوں کی پشیمانی کون دیکھے۔ ہونٹوں کی گویائی کا ارتعاش تک محدود ہونیکا احساس کرنے تو کون کرے جب دل اور دماغ دونوں معطل ہو جائیں۔

"عبرت" بھی فطرت انسانی کے مطابق ابتدا میں ان حیا سوز اور ضمیر کش مناظر سے متاثر ہوا۔ اس کے قدم لڑکھڑائے اس کی زبان بند ہو گئی۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ جب اس نے پہلے پہل اپنے احباب کے اصرار سے محمودہ جان کے کمرے پر قدم رکھا۔ راسخ الاعتقادی اور مذہب پرستی اس کی تعلیم و تربیت میں شامل ہی نہ تھیں۔ اس لئے وہ آسانی سے گمراہی کے آغوش میں پہنچ گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے وہی عبرت جو ابتداء میں رات کی تاریکیوں میں بھی محمودہ کے کمرہ پر جاتا ہوا لرزتا تھا۔ اب روز روشن میں بے تکلف اور بے حجاب جانے لگا۔ اس کی دولت نے ایک طرف تو محمودہ کے زر پرست نگرانوں کو خرید لیا۔ دوسری طرف اس کی حسن و رعنائی نے کم سن محمودہ کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی اور دو سال تک یہ ناجائز تعلقات قائم رہے۔ آخر محمودہ کو حمل رہا۔ اب عبرت کی آنکھیں کھلیں۔ اور اس نے اس خیال سے کہ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو یہ عصمت فروش فرقہ اسے بھی عصمت فروشی کی تعلیم دیگا۔ محمودہ کو اس کے مکان سے نکلوا لیا۔ مقدمہ بازی میں ہزاروں روپیہ تلف ہوا۔ عزت پر پانی پھر گیا اور بے انتہا رقوم رشوت پر خرچ کرنے کے بعد آخر یہ عقدہ کھلا کہ محمودہ حقیقت میں اس عورت کی بیٹی نہیں جو اسے کمرے پر لئے بیٹھی تھی بلکہ وہ بہار پور کے ایک رئیس کی بیٹی ہے جس سے اپنی جائز بیوی کی بیٹی محمودہ کی ماں کو [illegible]

بعد میں طوائف کو جس کا نام "اقبال" تھا۔ اور جواب محمودہ کی ماں اور نگران بنی ہوئی تھی۔ اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ یہ عورت کچھ عرصہ تک محمودہ کے باپ کے پاس رہنے کے بعد اس کی اطلاع کے بغیر محمودہ کو اپنے ساتھ لیکر غائب ہوگئی تھی۔ کچھ تو ان اطلاعات کی وجہ سے اور کچھ محمودہ کے اپنے بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ عصمت کو اس مقدمہ میں کامیابی ہوئی اور محمودہ اس کے حوالے [illegible] گئی۔ کافی انتظار کے بعد محمودہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا [illegible] مر گیا پ ایک شریف [illegible] عصمت سے اس [illegible] [illegible] چونکہ عصمت [illegible] تھی۔ اس [illegible] کا سلوک اس قابل نہ تھا کہ محمودہ [illegible] اُسکے مظالم کی متحمل ہو سکتی۔ اس نے اقبال کی خوشنودی [illegible] نکلکر دوبارہ اقبال کے پاس جا رہی۔

آہ کتنے عبرت آمیز ہیں یہ واقعات اور کتنا تکلیف دہ ہے یہ احساس کہ چند فانی تفریحوں کے لئے ناعاقبت اندیش انسان اپنی ابدی اور روحانی مسرتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے اپنی قوم اور ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتا ہے اپنی دولت کو پامال کرتا ہے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اور یہ سب کیوں صرف چند فانی تفریحوں کے لئے۔

اگر محمودہ کا باپ بذات خود بدکار نہ ہوتا تو اقبال۔ عصمت فروش اقبال کو۔ اپنے گھر میں نہ رکھتا۔ اس سے تعلقات نہ پیدا کرتا۔ اُسے گھر کے سپید و سیاہ کا مالک نہ بناتا۔ اپنی معصوم اور بے گناہ بیٹی محمودہ کو تمام عمر کے لئے اس قعر مذلت میں نہ دھکیل دیتا اور ایک شریف عصمت فروشی کی مرتکب نہ ہوتی آہ۔ کتنا بڑا صدمہ ہوتا ہوگا محمودہ کی معصوم والدہ کی پاک روح کو۔ جب وہ محمودہ کو آوارہ زندگی گذارتے ہوئے دیکھتی ہوگی۔ اور کیا حالت ہوتی ہوگی اُس باپ کی جب اُسے یہ خیال آتا ہوگا کہ میری اپنی لڑکی میرا اپنا گوشت پوست ایک آوارہ اور بدکار عورت کی حیثیت میں عصمت فروشی پر مجبور ہے۔

عصمتؔ کی ناعاقبت اندیشی نے۔ بری صحبتوں نے۔ آخر اُسے کیا دکھایا۔ یہی کہ اس نے چند فانی مسرتوں کیلئے اپنے ضمیر کا گلا گھونٹا۔ اپنے مذہب پر ظلم کیا اپنے ایمان کو تباہ اور برباد کیا اور اپنی روح پر معصیت کا داغ لگایا۔ ضرورت ہے کہ مسلمان چشم بصیرت سے ایسے مشاہدات کا نظارہ کریں اور ایسی نوعمر بچوں کی زندگیوں کو تباہی سے بچائیں۔ (باقی آئندہ)

مخمس بر غزل علامہ اقبال

از محمد علی خان صاحب اثر رامپوری

قمر میں شمس میں انجم کے روشن آبگینوں میں
تجھے ڈھونڈا حرم میں۔ دیر میں خلوت گزینوں میں
عبث تڑپا کئے دیدار کو سجدے جبینوں میں
جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے خلوت خانۂ دل کے مکینوں میں

نہیں وابستۂ زلف چلیپا عشق پُر افسوں
ہوا ہے طرۂ لیلیٰ پہ قیس نجد کیوں مفتوں
وہ خود ہے رشک لیلیٰ کوئی پوچھے اس سے یہ مضموں
کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

بنا سینہ کے داغوں سے گلستاں دامن دل کو
محبت کے شرر سے خوب دہکا گلخن دل کو
بجھا رکھا ہے کیوں تو نے چراغ ایمن دل کو
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

کہیں ابر کرم چھایا فضائے ما عرفنا پر
مزمل کا ملا خلعت ادائے ما عرفنا پر
کوئی شیدا ہوا تیری ادائے ما عرفنا پر
پھڑک اٹھا کوئی تیری صدائے ما عرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

ترستی ہے نگاہ نارسا۔ ابتر ہے حال اپنا
نہ دیکھا آج تک زخم طلب نے اندمال اپنا
ترے پردہ سے ہے عشاق کو جینا وبال اپنا
نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں

برا کہ کر کسی کو۔ کوئی اچھا ہو نہیں سکتا
سراپا عیب خود ہو کر یہ سودا ہو نہیں سکتا
اثر میں اور نکتہ چیں ہوں یہ اصلا ہو نہیں سکتا
برا سمجھوں انھیں۔ مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

محمد علی خاں اثر۔ رامپوری

اے بڑھیا! میں کیسا؟

(از جناب مولانا حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراقؔ دہلوی)

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے سُنا ہے بھر چلے

آغا قیس (اپنی بیوی الماس خانم سے) "بیگم! دیکھو میں دلّی چھوڑ کر کلکتہ جا رہا ہوں، آنے جانے میں برسوں لگیں گے، اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، خدا جانے تم لوگوں کی شکل پھر دیکھنی نصیب ہو یا نہیں، میں وصیت کرتا ہوں کہ تم میری پیٹھ پیچھے میری امّاں جان سے نہ لڑنا اور نہ انھیں ستانا اور کپڑے لتّے یا کھانے پینے کی تکلیف نہ دینا۔ نہیں یاد رکھنا قیامت کے دن تمہارا دامن ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔" اتنا کہکر قیس چپ ہو گیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

الماس خانم:- بھلا چلتے وقت تم کیوں بدشگونی کرتے ہو؟ خواہ مخواہ روتے بیٹھ گئے۔ تم خوشی خوشی سیدھارو۔ میں تمہاری امّاں جان کو آدھی بات بھی نہ کہوں گی۔ اور ان سے بھول کر بھی نہ لڑوں گی۔ جس وقت سے تم نے مجھے محشر میں دامنگیر ہونے کی دھمکی دی ہے، اپنے دیے گھلنوں کی قسم ڈر کے مارے میرا کلیجہ کانپ رہا ہے۔ توبہ توبہ۔ الٰہی توبہ۔ ساس میں اور سگی ماں میں فرق ہی کیا ہوتا ہے، میں تو ان کے پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔

بیوی کی ان باتوں سے آغا قیس کو تسکین ہو گئی، اور وہ بیچارہ کلکتہ روانہ ہو گیا، اسکے جانے کے بعد آٹھ دن تک بہو نے ساس سے کچھ چھیڑ چھاڑ نہ کی۔ مگر نویں دن الماس خانم کی والدہ شریفہ بی یا قوت بیگم آن براجیں، اور آتے ہی انھوں نے بیٹی کو ٹھسایا۔ باؤلے کو آگ دکھائی اُس نے لگی لگائی گھر کو آگ لگائی، اور وہ چڑیل کی طرح ہاتھ دھو کر بی عزت نسا کے پیچھے پڑی۔ (عزت نسا، آغا قیس کی ماں کا نام ہے)

عزت نسا:- باؤ شلو (زمانی دلہو کا خطاب ہے) کل جمعہ کے دن سر دھوؤں تو اچھا ہے، کیونکہ میرے بال چکٹ گئے ہیں، آج آنولے منگا دو۔ رات کو بھگو دوں گی تو صبح تک خوب [illegible] جائیں گے

الماس خانم: بوڑھا چونچلا جنازے کے ساتھ۔ قبر میں تو پاؤں لٹکائے بیٹھی ہو، اور

اپنے تئیں سمجھتی ہو بارہ برس کی لڑکی۔ آنوئے نوجوان عورتیں سر میں ملا کرتی ہیں جو اپنے بالوں کو سیاہ بھونرا بنانا چاہتی ہیں، خاک پڑے اس ہوس کا رنی کے کالا منہ۔ نیلے ہاتھ پاؤں۔ خدا کی لعنت۔ خدا کی پھٹکار۔ شیطان کا دھکا۔ میں نے تیرے بیٹے کو عمل پڑھ پڑھ کر دیا ہے اسی لئے نکالا ہے کہ تجھ سے عمر بھر کے بدلے لیلوں، اور تیری فریاد کو پہنچنے والا چڑیا کا بچہ تک نہ ہو خدا نے اور اس کے حبیب نے چاہا تو تیرے تلے کے سے بل نکالوں گی موئی پدم شکری۔ چوٹی چپا۔

بی عزت نسا رخون کے سے گھونٹ پی کے چپ ہو گئیں، اور بہو کی باتوں کا اصلا جواب نہ دیا۔ یاقوت خانم کو سمدھن سے بڑی لاگ تھی۔ بیٹی کے اس بُرا بھلا کہنے پر بھی ان کے کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑی، اور انہوں نے الماس خانم کے کان میں "اگر تو گھر میں چین سے رہنا چاہتی ہے تو اس بڑھیا مُردار کو مار پیٹ کر گھر سے نکال باہر کر۔" الماس خانم ماں کے اس بہکانے سکھانے میں بھی آگئی اور اس نے ایک دن مغرب کے وقت بی عزت نسا کو اس بیدردی سے مارا۔ کہ وہ بدنصیب سسکنے لگیں۔ اور باندیوں کی مار سے لہولہان ہو گئیں، انہیں غش آگیا اور رات کے آٹھ بجے تک وہ مُردہ کی طرح پڑی رہیں۔ یاقوت خانم نے الماس خانم سے کہا۔ بیٹی تیرا گھر شہر کے کنارے پر بنا ہوا ہے اور جنگل پاس ہے، اپنی ساس کو گٹھری میں باندھ کر جنگل میں پھینک آ۔ رات بھر میں گیدڑ بھیڑیے لاش کو کھا پی کر برابر کر دیں گے۔ جب تیرا خاوند دو چار پہر میں آئیگا تو کہدیں گے تمہاری اماں مر گئیں اور فلاں قبرستان میں رکھی گئیں، برسات میں قبر بیٹھ گئی اور نشان بھی نہیں رہا صبر کرو۔ الماس خانم نے اپنی ماں کا یہ کہنا بھی قبول کیا اور بی عزت نسا کو کپڑے میں باندھ کر جنگل میں ڈال آئی، مگر جس کپڑے میں باندھ کر لے گئی تھی وہ لے آئی تاکہ اس کے حوالے سے پکڑا پکڑی نہ ہو اور اس رات کو دونوں ماں بیٹیاں پاؤں پھیلا کر چین سے سوئیں۔

رات کے بارہ بجے کچھ ٹھنڈک ہوئی تو بی عزت کو ہوش ہوا، اور چوٹوں کی تکلیف سے وہ زمین پر پڑے پڑے کراہنے لگیں۔ کیونکہ کلوتی ہونے چار چوٹ کی مار انہیں دی تھی۔ ناگہاں انہوں نے دیکھا کہ تین شخص سفید پوش مشرق کی طرف سے آگے پیچھے چلے آتے ہیں، چلتے چلتے وہ اتفاقاً بی عزت نسا کے پاس پہنچ گئے، اور

پڑھا ہوا تو چڑھا تو ہو ... گئے اور کہنے لگے آپ ... اپنا فیصلہ قیامت تک نہ کر سکینگے یہ بنی آدم اور اشرف المخلوقات ہے اس بڑھیا سے پوچھو۔ اور جو یہ حکم لگا دے اُسے تسلیم کرو۔ تینوں شخصوں نے کہا بیشک انسان کا بڑا رتبہ ہے اور یہ اللہ کا خلیفہ ہے ہمارے حق میں جو کچھ اس کے مُنہ سے نکلے اُس پر ہم سب کو یقین لانا چاہیئے۔ اچھا پہلے میں ہی اپنی نسبت اس سے پوچھتا ہوں اتنا کہکر اُن تین سفید پوشوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے بی عزت سے کہا "اے بڑھیا میں کیسا ہوں؟"

عزت النساء (رک رک کر) بیٹا مجھے کیا معلوم ہے تم کون صاحب ہو۔ اپنا نام و نشان بتاؤ تو میں کہوں تم ایسے ہو۔

سائل:- میں ہوں جاڑے کا موسم۔ اب بتاؤ میں کیسا ہوں؟

عزت النساء:- سبحان اللہ جاڑے کے کیا کہنے ہیں، گوارا لگتے ہی لحاف۔ توشکیں تیار ہونے لگتی ہیں، رضائیاں۔ کمرلیں۔ قبائیں چھینٹ کی۔ مخمل کی بنائی جاتی ہیں، گرمی کے موسم کے پیاسے ٹھنڈا پانی پی پی کر اپنا کلیجہ خنک کرتے ہیں۔ جاڑے کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ اس لئے کھانا خوب ہضم ہوتا ہے، بھوک بھی بیتابی سے لگتی ہے۔ گرم گرم چاء پیتے ہیں حلوا سوہن۔ گاجر کا میٹھا اسی موسم کا تحفہ ہے بادام پستہ چلغوزہ۔ اخروٹ انہی دنوں میں کھاتے ہیں۔ مسجد میں نمازیوں کے لئے سقاووں کے اندر پانی گرم کیا جاتا ہے تاکہ وہ نہائیں، وضو کریں، اور مسجد کے متولی کو ثواب حاصل ہو عابد، زاہد جاڑے کی لمبی لمبی راتوں کو بہت پسند کرتے ہیں کیونکہ ذکر و شغل دل کھول کر ہو سکتا ہے، سردی کے آتے ہی بنئی پردے گھروں دالانوں کے صحنوں پر باندھے جاتے ہیں۔ کمروں کے اندر آتشدان اور انگیٹھیاں روشن کرتے ہیں اچھوٹے بڑے مل کر آگ تاپتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ کابلی۔ کشمیری سوداگروں کو ہزاروں کا فائدہ پہنچتا ہے، شال۔ دوشالہ۔ دو ہسے۔ پٹو۔ بانات اور طرح طرح کے اونی کپڑے۔ بکتے ہیں گیہوں۔ جو۔ چنا۔ جاڑے ہی کے موسم میں بڑھتا پلتا ہے صبح سے شام تک جاڑے کی دھوپ اچھی لگتی ہے۔ بیٹا کیا کہوں، بولنے مار کر اس بندی کا بھرکس نکال دیا ہے۔ کمزوری کے مارے بولا نہیں جاتا ہے، نہیں تیری سچی سچی تعریف میں اور بھی بیان کرتی۔

جاڑا:- نہیں بڑھیا تو نے اب بھی بہت کچھ تعریف بیان کی ہے۔ ... تیری باتیں سنکر

بہت خوش ہوا۔ لو یہ ہزار روپے کا ایک توڑا ہے۔ اسے تم اپنے علاج میں صرف کرنا۔ اور خدا تمہاری اُس بے ادب ہوسے بچائے جس نے ناحق تمہیں ستایا ہے۔

یہ کہکر جاڑے نے ایک ہزار روپے کی تھیلی بی عزت نسار کے پہلو میں رکھ دی اور خود پیچھے سرک گیا۔ اور اس کا دوسرا رفیق آگے بڑھا اور اس نے کہا "اے بڑھیا میں کیسا ہوں؟"

عزت نسار:۔ میاں مجھے کیا خبر تم کون ہو۔ اب ... اچھا ... تو ... کیوں نہ ... ایسے ہو۔

گرمی کا موسم: میں ہوں گرمی کی رُت۔

عزت نسار:۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ گرمی کی رُت کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ گرمی کچے اناجوں۔ اور کچے میووں کو پکاتی ہے۔ گرمی جب تک جاندار کے بدن میں باقی ہے زندہ ہے نہیں مردہ ہے۔ گرمی کے موسم میں ملائی کی برف۔ شربت کی برف قسم قسم کے شربت۔ تخم ریحاں۔ فالودہ۔ پن بھتا کیسا بھلا لگتا ہے۔ شورے میں پانی کی صراحیاں لگائی جاتی ہیں لال لال صافیاں لپیٹی جاتی ہیں۔ کورے کورے مٹکے۔ ٹھلیاں۔ جھجریاں۔ چھکے کاغذی آبخورے پانی سے بھر کر رکھے جاتے ہیں جنہیں دیکھ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ چھڑکاؤ کئے جاتے ہیں، امیر لوگ خس خانوں میں بیٹھتے ہیں، خس کی ٹٹیاں لگائی جاتی ہیں ان پر پانی چھڑکتے ہیں فراشی پنکھے کھینچے جاتے ہیں، تہہ خانوں کی قدر ہوتی ہے۔ کھیرے۔ ککڑیاں۔ تربوز گرمی کے موسم کی نایاب چیزیں ہیں۔ آب رواں کے دوپٹے باریک لیٹ کی محرم کرتیاں، موتیا جوہی کے کنٹھے۔ پھولوں کے گہنے کی بہار اسی موسم میں آتی ہے، واہ گرمی کی رُت تیرے کیا کہنے ہیں۔ ایک لنگوٹی میں بھی آدمی بسر کر سکتا ہے۔

یہ کہکر بی عزت نسار چپ ہو گئیں، اور گرمی کو اپنی یہ صفت و ثنا بہت پسند آئی، اُس نے بھی ایک ہزار روپے کی تھیلی بی عزت نسار کے پاس رکھ دی اور وہ پیچھے ہٹی۔ اب تیسرا رفیق بی عزت نسار کے پاس آیا اور اس نے کہا "اے بڑھیا میں کیسا؟"

عزت نسار:۔ آپ یہ کہیئے کہ آپ ہیں کون! پھر میں آپ کو جواب دوں کہ آپ ایسے ہیں۔

برسات کا موسم: میرا نام ہے برسات کا موسم۔ اب کہو میں کیسا ہوں۔

عزت نسار:۔ واہ واہ۔ برسات کے کیا کہنے ہیں۔ برسات نہ ہو تو دُنیا خاک میں

مل جاتے ہیں۔ جانداروں کا تو کیا ذکر ہے جڑی بوٹیاں تک برسات کی آرزو رکھتی ہیں۔ برکھا رُت میں دھان پان۔ آم خصوصیت سے پیدا ہوتا ہے۔ باغوں میں جھولے پڑتے ہیں ملار گائے جاتے ہیں۔ کڑاہیاں چڑھتی ہیں۔ رُم جُھم رُم جُھم مینہ برستا ہے۔ جس کے دیکھنے سے دل کو تفریح ہوتی ہے۔ دلی میں پھول والوں کی سیر کی دھوم ہوتی ہے [illegible] درگاہ جوگ مایا جی کے مندر پر بیش قیمت پنکھے چڑھائے جاتے ہیں۔ پکوان [illegible] جاتے ہیں۔ اندرسے کی گولیاں۔ اندرسے۔ پھال۔ پھینیاں برسات [illegible] کوئل کوکتی ہے۔ پپیہے خوش آوازی سے بولتے ہیں۔ مور [illegible] جوار۔ باجرہ۔ مونگ۔ ماش۔ مکئی اسی موسم کی پیداوار ہیں جنہیں سال بھر کھا کر انسان حیوان جیتے ہیں ہزاروں قسم کے ساگ اور سینکڑوں قسم کی گھانس برسات میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کے بغیر زندگی دشوار ہے۔ اگر برسات نہیں ہوتی تو کال پڑ جاتا ہے، آدمی کو آدمی کھاتا ہے۔

برسات کا موسم بڑی بی کی زبان سے اپنی اس قدر تعریف سُنکر شاد ہو گیا، اور اس نے بھی اپنی بغل سے ایک ہزار روپے کی تھیلی نکال کر بی عزت نسار کے پاس رکھدی، اور پھر تینوں موسم بڑی بی کو سلام کر کے چلدیے۔

بی عزت نسا روپیوں کا نام سنکر اپنی چوٹوں کو بھول گئیں اور انہوں نے اٹھ کر تھیلیوں کو ٹٹولا اور روپیوں کو ہاتھ لگتے ہی سے ان کا سارا ضعف دور ہو گیا۔ دو بجے (رات) کے بعد الماس خانم کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنی ماں یاقوت خانم کو جگا کر کہا اماں! تم نے مجھے بہت بری مت دی کہ میں نے اپنی ساس کو مارا اور انہیں جنگل میں جا ڈالا۔ جب صبح کے وقت پڑوسی پوچھینگے، کہ اُن کی اماں کہاں گئیں؟ تو میں کیا جواب دوں گی؟۔ اور اگر وہ کسی آدمی کو ادھر مل گئیں۔ یا اُن کی ہڈیاں پائی گئیں، تو کوتوالی چبوترہ ہوگا اور میری تمہاری ہنڈیاں کسی جائیں گی۔ ابھی رات پردہ پوش موجود ہے، مناسب ہے کہ انہیں زندہ یا مردہ کو گھر میں لے آؤں۔

یہ کہکر الماس خانم اپنے بچھونے سے گھبرا کر اٹھی، اور پچھواڑے سے جنگل میں پہنچی، دیکھا تو بڑی بی کھوٹا سی بیٹھی ہیں، اور کوئی چیز اُن کے پاس رکھی ہے۔ الماس خانم نے چپکے چپکے اُن سے معذرت کی، اور کہا خدا کے واسطے گھر چلیے۔ اور یہ آپ کے

پاس کیا رکھا ہے؟ بی عزت نسا نے بہو کے کان میں تینوں موسموں کے آنے اور تینوں کے ہزار روپے دے جانے کا حال بیان کیا۔ الماس خانم اس قصہ کو سنکر پھولی نہ سمائیں۔ ساس کو پیٹھ پر لاد کر اور تینوں تھیلیوں کو بغل میں مار کر گھر لائیں انہیں نرم بچھونے پر لٹایا۔ گرم گرم حریرہ بنا کر پلایا۔ اور چوٹوں پر جابجا ہلدی پیسکر اور گرم کر کے لگائی۔ اور صبح اٹھ کر ان کے لئے شوربہ بنایا اور اپنی خطا معاف کروائی۔

الماس خانم کی ماں رشک و حسد کا پتلہ تھیں۔ وہ بی عزت نسا کے اس طرح روپیہ لانے پر جل مریں اور سوچنے لگیں کہ کسی طرح میں بھی ان تینوں موسموں سے انعام حاصل کروں آخر اُن سے ضبط نہ ہوا ایک دن انہوں نے بیٹی کو الگ لیجا کر کہا۔ بیٹی! (شوری الماس خانم کا بچپن کا نام ہے) یہ تو روپیہ پیدا کرنے کا بڑا اچھا ڈھنگ ہے۔ تو جانتی ہے میں بھی غلس کنگال ہو رہی۔ آج رات کو تو مجھے مار کوٹ کر جنگل میں پھینک آ۔ خدا چاہے میں تیری ساس سے دگنا مال لیکر آؤنگی۔ الماس خانم نے ماں کو بہت سمجھایا مگر وہ تو پیسہ کے لالچ میں اندھی ہو رہی تھی اپنی بیٹی کے سمجھانے کا کچھ بھی خیال نہ کیا اور اُس سے یہی کہا کہ تو بی عزت نسا کی طرح مجھے مارتے مارتے کچومر نکال دے۔ وہ جنگل میں پہنچا۔ ناچار ہو کر سعادتمند بیٹی الماس خانم نے یاقوت خانم کو سنگر کے بلاؤ کی طرح خوب ہی ماردی اور اُس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر رات جنگل میں پھینک آئی۔ جب آدھی رات اِدھر آدھی رات اُدھر ہوئی تو جاڑہ، گرمی، برسات کی روحانیت یاقوت خانم کے پاس آن پہنچی۔ اور کل کی طرح سب سے پہلے جاڑہ نے بڑھ کر کہا۔ اے بڑھیا! مزہ کیسا ہے؟!

یاقوت خانم:۔ خدائی خوار۔ گدھے سوار۔ پہلے تو اپنا نام و نشان بتا۔ مجھے کیا خبر تو کون بلا ہے۔ پھر میں جواب دوں گی۔

جاڑہ:۔ میں ہوں جاڑے کا موسم۔

یاقوت خانم:۔ اے خدا تجھے غارت کرے۔ کم بخت تو بڑا منحوس موسم ہے۔ غریب آدمی گرمی کے اندر تو ایک چھپڑے میں بھی گزار لیتے ہیں۔ مگر تیرا سنہ بے روئی دار کپڑوں کے نہیں جھیلا جاتا۔ پانی میں اولے جیسی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔ نہ منہ دھویا جائے نہ نہانے کا حوصلہ۔ لوگ وضو کرکے نماز پڑھنے سے جی چراتے ہیں۔ اور جو ٹھنڈے پانی سے وضو کیا جاتا ہے تو ہاتھ پاؤں پھٹتے ہیں، خون بہتے ہیں، موم روغن اور پھنیو ملنے کو

کہاں سے آئے۔ ہر کام سے آدمی سردی میں گھبراتے ہیں۔ عورتیں دال دھوتی ہیں۔ آٹا گوندھتی ہیں تو مارے سردی کے ہاتھ اکڑ جاتے ہیں، پانی گرم کرکے کام کریں تو دوگنا ایندھن درکار ہوتا ہے، ٹھنڈے پانی سے نہاتی ہیں تو زکام نزلہ ہو جاتا ہے، بال سکھاتے ہی مصیبت پڑتی ہے، بچوں کو بھیگے سر سے دودھ پلاتی ہیں تو اُن کا جی انٹا ہو جاتا ہے، بخار چڑھ جاتے ہیں، پسلی کا خلل ہوتا ہے، پیٹ میں درد ہو جاتا ہے، بڑے آدمی ذات الجنب میں مرتے ہیں۔ دن چھوٹے ہوتے ہیں، کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ دھوبی۔ سقے چار مہینے تک کوستے ہیں کہ خدا جاڑے کا جلدی ہی منہ کالا کرے، اس نے ہمیں ستا دیا۔ دریا کے ٹھنڈے پانی میں کپڑے دھونے کے لئے کیونکر گھسا جائے ٹھنڈا پانی مشک میں کیونکر بھرا جائے، پھر ٹھنڈی مشک کو کس طرح اٹھا کر لے جائیں، سردی کی ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ اگر سفر کیا جاتا ہے تو اوڑھنا بچھونا روئی دار لیجانا پڑتا ہے جسکا لیجانا دشوار ہوتا ہے۔ روٹی توے سے اتری اور ٹھنڈی۔ ہانڈی میں پتلی سے پتلا سالن برف کی طرح جم گیا۔ کھاؤ تو معلوم ہوتا ہے ٹھنڈی مٹی کھا رہے ہیں بستروں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں، جو رات دن ستاتی ہیں۔

یاقوت خانم ابھی جاڑے کے بارے میں اور کچھ کہنا چاہتی تھیں جو گرمی کے موسم نے بگڑ کر کہا۔ بس بڑی بی بس۔ تو نے میرے بھائی کی بہت ہجو کی۔ اچھا اب یہ بتا کہ میں کیسا ہوں؟ —

یاقوت خانم: ستیاناسی میری بیزار کو یہی معلوم نہیں کہ تو کون سے کھیت کی مولی ہے اپنا نام و نشان کچھ مجھے بتا تو میں کہوں تو ایسا ویسا ہے۔

گرمی: میں ہوں گرمی کا موسم!

یاقوت خانم: اے گرمی تجھے خدا کی پھٹکار۔ خدا تیرا ستیاناس کرے۔ گرمی کا دکھڑا کیا روؤں۔ پسینے پر پسینے چلے آتے ہیں، پسینہ کی تیزی سے کپڑے میلے بھی ہوتے ہیں اور گلے بھی جاتے ہیں۔ نہ کبھی پانی ٹھنڈا ہو نہ تازہ۔ جب پیو گرم۔ حلق سے اترنا دشوار۔ دال سالن اور سب کھانے شام سے صبح اور صبح سے شام نہیں پکڑتے سڑ جاتے ہیں، بدبو پیدا ہو جاتی ہے چولہے کے پاس بیٹھ کر کھانا پکانا مشکل، لپٹ کے مارے تن بدن جلا جاتا ہے، دھواں آنکھوں میں گھسا جاتا ہے۔ گرمی کے مارے

بچوں کو تونس ہوتی ہے۔ چیچک۔ موتی جھارا نکلتا ہے اور اپنی ماں کے لال اس گرمی کی بدولت قبر میں جا سوتے ہیں۔ تل تجھڑی دہوپ میں مسافر بیچارے راہ چلتے اور بیمار پڑتے ہیں، سرسام ہوتے ہیں، گرمی سے جا بجا آگ لگتی ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں کا مال جلکر خاک ہوجاتا ہے اور جو کہیں گرمی کے موسم میں رمضان شریف آ گئے تو پھر انسان کا جینا دشوار۔ مگر اللہ کے پاک بندے روزہ ناغہ نہیں کرتے۔ اللہ کے فرض کے پیچھے اپنی جانیں دیدیتے ہیں۔ روزہ کھولکر پانی زیادہ پی گئے کلیجے پھٹ کر دم توڑ کر مر گئے۔ کسی بچہ کو روزہ رکھوایا اُس کا دانہ پانی بند ہوا تو بچہ بلبلا کر ہاتھوں میں آ گیا۔ مارے پیاس کے اس کی آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے روزہ کھولکر سنبھل گیا تو سنبھل گیا نہیں عید سے پہلے محرم ہوگیا۔ مجھے گرمی کے عیب بہت یاد ہیں مگر درد اور چیچک کے مارے مجھ سے اچھی طرح بولا نہیں جاتا ہے۔ چل دور میرے سامنے سے۔ گرمی اپنا سا مُنہ لے کر سرک گئی اور برسات نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے کہا ذرا ٹھہرو۔ میں بھی اس ڈائن بد زبان سے دو دو باتیں کرلوں۔

برسات:۔ اے بڑھیا! میں کیسا؟۔

یاقوت خانم:۔ اے جوانا مرگ مونڈی کاٹے۔ پہلے یہ تو مُنہ سے بول کہ تو کون ہے؟

برسات:۔ میں ہوں برسات کا موسم۔

یاقوت خانم:۔ اللہ تجھ سے بچائے برسات موئی آفت کی پڑیا ہوتی ہے، سردی گرمی میں آدمی پیڑ تلے۔ ٹٹی تلے بیٹھ کر زندگی بسر کرسکتا ہے، مگر تجھے چاہیئے بنگلے کوٹھیاں۔ ڈھیا پھوٹی تو ہی لاتی ہے، گاؤں اور شہر تو ہی بہا کر لے جاتی ہے رعد کی کڑک تو لیکر آتی ہے بجلیاں تو ہی گراتی ہے۔ سانپ بچھو، کنکھجورے اور ہزاروں قسم کے زہر دار کیڑے تو ہی پیدا کرتی ہے، مچھروں سے تو کٹواتی ہے، پسوؤں سے تو نچواتی ہے، ملیریا بخار اور ہیضہ تو پھیلاتی ہے، مکھیاں تو ہی بھنکواتی ہے، سڑی گرمی برسات کی ہی کہلاتی ہے۔ تو بڑی بے رحم ہے، قحط تو ہی ڈالتی ہے بھوکا مارتی ہے۔

جب یاقوت خانم بکواس کر چکی تو تینوں موسموں نے آپس میں صلاح کی کہ اس بے حیا عورت کو ایسی سزا دینی چاہیئے جو ہمیشہ قایم رہے اور لوگ اسے دیکھکر عبرت پکڑیں

یہ کہکر جاڑہ آگے بڑھا اور اس نے یاقوت خانم کی ناک جڑ سے کاٹ لی، پھر گرمی نے ایک کان اُس کا بے نشان کر دیا، پھر برسات نے اُس کا دوسرا کان تراش لیا اور یاقوت خانم کو برا بھلا کہتے چلے گئے۔

رات کے تین بجے الماس بیگم اس خیال میں ڈوبی ہوئی اپنی ماں کے پاس پہنچیں کہ چھہ ہزار کی رقم وہ اپنے پیٹ سے لگا کے بیٹھی ہوں گی۔ مگر یہاں دیکھا کہ بڑی بی مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں الماس خانم نے کہا اماں جان خیر تو ہے؟

یاقوت بیگم:۔ خیر کہیں کمبخت۔ تو مجھے گھر لے چل وہاں پہنچکر اپنی بپتا تجھے سناؤں گی۔

الماس خانم اماں جان کو چنڈولی چڑھا کر گھر میں لے آئی۔ اور چراغ کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اماں کی ناک نہیں ہے، اس نے اپنے سینے میں ایک گھونسہ مارا اور کہا ہائے اماں جان تمہاری ناک کہاں گئی؟ یاقوت خانم نے سارا حال بیان کیا اور کہا بیٹی یہ صدمہ ہی کا صبر میری جان پر پڑا ہے لعنت کر ساس برائیاں تیرے آگے بھی جا ئیاں" صبح کو محلہ کے بچوں نے یاقوت خانم کو نکٹی بوچی دیکھکر ہنسی اڑائی۔ اور سارے شہر میں کھڑی کھڑی ہوئی۔ خدا ہم فقیروں کو ایسی طمع سے بچائے جسمیں ناک کان کی جوکھوں ہو ◆

تاج الکلام ترجمہ منظوم معہ رباعیات عمر خیام

سب سے پہلے عمر خیام کا فوٹو ہے اس کے بعد اسی صفحوں پر عمر خیام کے سوانح حیات اور ایک سو بانوے صفحات پر عمر خیام کی ۴۶۷ فارسی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں الغرض پونے تین سو صفحوں کا نادر مجموعہ معہ ہاف بونڈ جلد کے قیمت اصلی ۱۲ رعایتی عہ

جواہر منظوم معہ ترجمہ منظوم رباعیات سرمد

حضرت سرمد شہیدؒ کا اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا۔ لیکن مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ کھینچا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے پوری سوانح سرمد مولانا آزاد کے قلم سے ہے اور اسکے بعد سرمد علیہ الرحمۃ کی تمام فارسی رباعیاں معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں قیمت اصلی ۱۲ ار رعایتی ۳ ر

(حکیم میر نادر علی صاحب رعدؔ نبیرۂ میر الشعرا حضرت شیدؔ دہلوی مرحوم)

آرزو جستجو سے بہتر ہے — جستجو آرزو سے بہتر ہے
آبرو ہے تو خاکساری میں — یہ تیمم وضو سے بہتر ہے
درد نوش سے تو کل کو تو — ایک قطرہ سبو سے بہتر ہے
تیرا در چھوڑ کر کہاں جائیں — ایک سو تیار سو سے بہتر ہے
ذلت عشق عارضی ہو اگر تو — عزت و آبرو سے بہتر ہے
مثل مجنوں ہو عاشق سیرت — نیک خو خوبرو سے بہتر ہے
پی ہی جاؤ دیکھنا ہے کیا زاہد — کیفیت رنگ و بو سے بہتر ہے
با وفا ہو کہ بے وفا یکسر — دوست آخر عدو سے بہتر ہے
کیا کہوں تجھ سے لطفِ خاموشی — بے محل گفتگو سے بہتر ہے

مستیِ رندِ بے ریا اے رعدؔ
شیخ کی ہائے ہو سے بہتر ہے

شاہ کبیر

(انیس احمد صاحب مارہرہ)

ادی گرنتھ میں جو سکھوں (پیروانِ نانک) کی مقدس کتاب ہے شاہ کبیر کی زندگی اور ان کی تعلیم کے حالات درج ہیں، اور یہ اس لئے کہ نانک کو ایک خاص تعلق شاہ کبیر کے ساتھ تھا اور اس تعلق میں اس وجہ سے اور بھی ترقی ہو گئی تھی کہ نانک کو ان سے ذاتی ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ مذہباً کبیر کے زیر اثر ہیں اُن کی تعداد کم نہیں۔ ۱۹۰۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں علاوہ پنجاب کے دیگر صوبہ جات میں کبیر پنتھی تعداد ۸۴۳۱۷۱ تھی لیکن یہ تعداد صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ممالک متحدہ میں اکثر پنتھی رامانندی لکھے گئے ہیں۔

کبیر کا اثر بحیثیت ایک مذہبی پیشوا ہونے کے بلاشبہ بہت زیادہ ہے ہندی علم ادب کا بانی بھی کہا جاتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انہوں نے ہندی میں از سر نو جان ڈالی ہے۔ کبیر کے دوہے اب تک اکثر فقیر گلی کوچوں میں گاتے ہوئے نظر آتے ہیں اُن کی کہاوتیں بحث مباحثے میں بطور نظیر کے پیش کی جاتی ہیں۔ جہلا اور اہل دل اُن کو نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ سنتے ہیں۔

کبیر کی زندگی کے حالات لکھنے کے لئے کافی مسالا ہم نہیں پہنچا اور ... معلومات صرف ان روایات تک محدود کر دی ہیں جن میں تاریخ کی جھلک پائی جاتی ... تو ہم کو بالکل پتا نہیں چلتا کہ کبیر کہاں اور کب پیدا ہوئے اور انہوں نے کہاں اور ... انتقال کیا ان کا پیدائشی مذہب کیا تھا انہوں نے شادی کی تھی یا نہیں اور کس کس ... میں کہاں کہاں قیام کیا۔ یہ سچ ہے کہ کبیر کے نام سے بہت سے قصے منسوب ... جاتے ہیں اور گو وہ کتنے ہی دلچسپ کیوں نہ ہوں ہماری اصلی ضرورت کو پورا نہیں کر ... اس لئے کہ ان سے صحیح حالات کا پتا نہیں چلتا۔

کبیر پنتھی یہ امر تسلیم کرتے ہیں کہ کبیر کی پرورش ایک ... نیما ہوئی جس کا نام نورا تھا۔ جن تحریرات کے دیکھنے ...

کوئی حال درج نہیں ہے۔ صرف ذیل کی دو روایتیں ہندوستان میں ان کی پیدائش کی نسبت مشہور ہیں:-

پہلی روایت یہ ہے کہ ان کی ماں ایک بیوہ برہمنی تھی جو اپنے باپ کے ساتھ کسی مشہور رشی کے درشن کو گئی تھی اس خوش اعتقادی کے صلے میں اس رشی نے دعا کی کہ اس عورت کے ایک بیٹا پیدا ہو چنانچہ اس مقدس شخص کی دعا قبول ہوئی اور شری کبیر اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔ لیکن ماں اپنے ناموس کے خوف سے بچے کو باہر چھوڑ آئی جس کو ایک نورباف کی عورت نے دیکھ کر اٹھا لیا اور متبنیٰ کر لیا۔

یہ واقعہ ایک دوسرے طریقے سے بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ راما نند نے جو ایک مشہور سادھو تھا اس کی ماں کو دعا دی تھی کہ بچہ ماں کے کف دست سے پیدا ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا ماں نے بچے کو لہر تارا تالاب کے وسط میں گل نیلوفر پر بٹھا دیا تھا اور وہیں سے نوماں زوجہ نورا اس کو اپنے گھر لے گئی۔ کبیر پنتھی ہندو کبیر کا نام اسی واقعے سے اخذ کرتے ہیں اور لفظ کبیر کو کھینچ تان کر سنسکرت لفظ کار بیر بنا دیتے ہیں (کار بمعنی ہاتھ اور بیر بمعنی دیو)

دوسرا واقعہ جو ان کی پیدائش کا بیان کیا گیا ہے حسب ذیل ہے۔ کبیر کسوٹی* میں لکھا ہے "سیوک ہو کر اوترا پرتھوی مان ہے" یعنی کبیر آسمان سے اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہو کر زمین پر اترا۔ کبیر کی پیدائش کے وقت عجیب نظارہ تھا۔ گل ہائے نسرین کھل رہے تھے۔ طاؤس لب آب رقص کر رہے تھے۔ لق لق تالاب پر رقص پا ہو رہے تھے بجلی کی روشنی اور بادل کی گرج دل معشوق کو دہلا رہی تھی کہ وسط لہر تارا تالاب میں گل نیلوفر کی پنکھڑیوں پر کبیر کا ظہور ہوا۔ نورا کی نئی نویلی دلہن جو اپنے گھر سے رخصت ہو کر سسرال کو جا رہی تھی تشنہ دہن لب آب پہنچی۔ بچے کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات موجزن تھے اس کو خیال ہوا کہ یہ بچہ غالباً کسی کمسن بیوہ کی شرم و حیا کی زندہ شہادت ہے۔ نورا نے کہا آؤ اپنے گھر لے چلیں لیکن نوماں اس خوف سے کہ مبادا بعد کو کوئی فتنہ و فساد

---

* یہ مذہبی رسالہ [illegible] ۱۸۸۵ء میں بمقام بمبئی شائع ہوا۔ یہ کتاب پانچ کبیر پنتھوں کی مجمع کوششوں [illegible] صرف [illegible] ملک [illegible] باقی [illegible] ہے۔

برپا ہوا پہلے انکار کیا آخر میں بچے کی حالت زار پر رحم کھاکر راضی ہوگئی۔ گھر میں بچے کو لیکر پہنچی تو عورتوں نے متعجب ہو کر دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ بچہ کس کا ہے اور اس کے ہاتھ کیوں کر آیا۔ نوماں نے جواب دیا کہ میں نے یہ بچہ نہیں جنا بلکہ مجھکو سر راہ ملا ہے یہ سن کر پھیر عورتوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔

کبیر پنتھی جماعت کے مطابق کبیر کا سال ولادت ۱۳۹۸ء اور سال وفات ۱۵۱۸ء ہے۔ ضلع بنارس کے گیزیٹر میں تحریر ہے کہ کبیر بمقام بلہارا جو ضلع اعظم گڑھ میں ایک موضع ہے پیدا ہوئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کبیر نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس کا نام لوئی تھا اور اس کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام کمال رکھا اور لڑکی کا کمالی۔ لوئی کی شادی اور ان بچوں کی پیدائش کا طریقہ ہندوؤں نے نہایت عجیب و غریب بیان کیا ہے۔ کبیر کی ولادت سے زیادہ ان بچوں کی آفرینش حیرت انگیز ہے۔ کبیر کو خدا نے ایک انوکھے طریقے سے پیدا کیا لیکن یہ بچے بقضائے الٰہی فوت ہوئے اور کبیر نے ان کو زندہ کیا ان کے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

ایک روز شاہ کبیر گنگا کے کنارے ایک بن کنڈی بیراگی کے درشن کو گئے تھے کہ وہاں اُن کو ایک لڑکی ملی جسکی عمر تقریباً بیس سال کی تھی، لڑکی نے کبیر سے ان کا نام دریافت کیا کبیر نے کہا "کبیر" پھر ان کی ذات اور پیشہ دریافت کیا کبیر نے پھر جواب دیا "کبیر" لڑکی نے اس پر اظہار تعجب کیا اور کہا کہ یہاں اکثر سادہو آتے ہیں لیکن اس قسم کا جواب آج تک کسی نے نہیں دیا۔

لڑکی سے جب اس کے حسب و نسب کی بابت دریافت کیا تو اس نے بیان کیا کہ میرا نام لوئی ہے ایک بن کنڈی بیراگی نے میری پرورش کی تھی جو صرف دودھ پر بسر کیا کرتا تھا۔ بیراگی کہا کرتا تھا کہ میں ایک روز دریا میں اشنان کر رہا تھا کہ ایک ٹوکری بہتی ہوئی میرے پاس آئی میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک نومولود بچی ملی جس کو میں نے بتی سے دودھ پلا پلا کر پالا۔ یہ بچی کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی اس وجہ سے اس کا نام لوئی رکھا۔

لوئی نے کبیر کے جذب کو دیکھکر کہا کہ سوامی جی مجھے راہ حق کی تعلیم دیجئے شاہ کبیر

اُس کی راستبازی سے خوش ہوئے اور کہا کہ ہمیشہ ستیانام بجاکر اور سادھوؤں کی خدمت کیا کر۔ اس حکم کی تعمیل کی غرض سے وہ کبیر کے ساتھ کاشی کو چلی گئی، نومان نے یہ خیال کرکے کہ کبیر اُسکو بی بنا کر لایا ہے کہا کہ کبیر شادی کرنے سے کیا فائدہ جب تم مثل زن و شو کے بسر نہیں کرتے۔

ایک دفعہ شاہ کبیر شیخ تقی کے ہمراہ گنگا کے کنارے جارہے تھے کہ انہوں نے ایک بچے کی لاش بہتی ہوئی دیکھی۔ کبیر نے شیخ کے فرمانے پر بچے کے کان میں کچھ کہا اور وہ رونے لگا۔ لوگ اس بچے کو لوئی کی گود میں دیکھکر کبیر کو تخدا سمجھتے تھے۔ کبیر نے اس بچے کے حسن و جمال کے لحاظ سے اس کا نام کمال رکھا۔ دوسری مرتبہ اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد اس کے ایک ہمسایے کی لڑکی مرگئی تھی۔ کبیر اس کی والدین کی اجازت سے اس کو اپنے گھر لے آئے اور شبد کے ذریعے سے اس کو زندہ کیا، اس کا نام کمالی رکھا۔ اور بغرض پرورش لوئی کے سپرد کیا۔ یہ دونوں بچے شاہ کبیر کو سوامی جی کہتے تھے اور کارگہ میں کام کرتے تھے۔

کمالی کی عمر بیس سال کی تھی کہ وہ ایک روز کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی ایک تشنہ دم برہمن نے اس سے پانی لے کر پیا اس کے بعد اس نے لڑکی کی ذات پوچھی۔ اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک جولاہے کی لڑکی ہے تو برہمن نہایت ناخوش ہوا اور کہا کہ اے لڑکی تو نے مجھے بے دہرم کردیا۔ کمالی اس کی اظہار ناخوشی پر نہایت متعجب ہوئی اور اس کو شاہ کبیر کے پاس لے گئی۔ شاہ کبیر نے اس راز سے واقف ہو کر کہا پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ ناپاکی کیا چیز ہے مچھلیاں، کچھوے۔ خون۔ نمک۔ سڑے ہوئے پتے۔ جانوروں کی لاشیں یہ سب چیزیں پانی میں رہتی ہیں۔ زمین کے نیچے کروڑوں آدمی دفن ہیں، ہر قدم جو اٹھتا ہے کسی نہ کسی لاش پر پڑتا ہے اور اس مٹی سے وہ برتن بنتے ہیں جن میں تم پانی پیتے ہو۔ تم چھوت کے خوف سے جب چوکے میں جاتے ہو تو اپنے کپڑے اتار کر ایک دہوتی باندھ لیتے ہو جسکو جولاہے بنتے ہیں مکھیاں جو غلیظ پر بیٹھتی ہیں تمہارے کھانے پر آتی ہیں آخر تم یہ سب باتیں کیوں کر روک سکتے ہو یہ توہمات خدا کے لئے دل سے نکالو اور دید وید کو پڑہو۔ پنڈت کی درخواست پر شاہ کبیر نے ستیانام کی تعلیم اس کو دی اور کمالی کے ساتھ اُس کی شادی کردی۔

شاہ کبیر کی صداقت اور راستبازی خصوصاً ذات کے تفرقے کی مخالفت سے ان کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں اُنکے خلاف ہو گئے اور سکندر لودی سے درخواست کی کہ یہ شخص خدائی کا مدعی ہے اور اس جرم کا مجرم قابل دار ہے۔ کبیر کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا لیکن وہ دن بھر دربار شاہی میں حاضر نہیں آئے شام کو جب حاضر ہوئے تو پوچھا گیا کہ تم حاضر ہونے میں اس قدر توقف کیوں کیا۔ جواب دیا کہ میں ایک تماشہ دیکھنے میں مصروف تھا۔ پھر دریافت کیا گیا کہ وہ کیا تماشا جس نے تمہیں فرمان شاہی کی تعمیل سے باز رکھا جواب دیا کہ میں اونٹوں کی ایک قطار کو ایک ایسے رستے سے نکلتے دیکھ رہا تھا جو سوئی کے ناکے سے بھی زیادہ باریک تھا۔ بادشاہ نے اس کے بیان کی تردید کی۔ کبیر نے کہا اے بادشاہ یہ امر قابل غور ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے اور یہ تمام اونٹ اور ہاتھی روئے زمین پر موجود ہیں لیکن ہم ان کو اپنی آنکھ کی پتلی سے دیکھ سکتے ہیں جو سوئی کے ناکے سے بھی چھوٹی ہوتی ہے بادشاہ کی نیت ہوئی کہ ان کو رہا کر دے لیکن لوگ جھنجھلائے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہماری خواہش کا کچھ لحاظ نہیں ہوا۔ شیخ تقی جو ایک بزرگ تھے اور مسلمانوں کے پیشوا تھے انہوں نے فرمایا کہ خدا اور رسول کے خلاف اس کا مسلک ہے۔ برہمنوں نے الگ اُن کو بے دھرم بتایا اور اس کے ثبوت میں یہ بحث پیش کی کہ ان کا میل جول ایک بدنام عورت اور ایک چمار رائے درشن نامی سے ہے۔ بادشاہ عوام الناس کا جانبدار تھا۔ کبیر کی سزا اس نے موت کا حکم دے دیا۔ ان کی ہلاکت کے لئے کئی تدبیریں عمل میں لائی گئیں لیکن بالکل بے سود۔ ایک مرتبہ کشتی میں غرق آب کئے گئے۔ لیکن زندہ بہتے ہوئے نظر آئے۔ دوسری مرتبہ مکان میں زندہ جلایا گیا۔ لیکن جب شعلے فرو ہو گئے تو وہ دوبارہ زندہ نکل آئے تیسری مرتبہ ایک غضبناک ہاتھی کے پیروں میں باندھنا تجویز ہوا لیکن ہاتھی ایک شیر کو (جو درمیان میں حائل ہو گیا تھا) دیکھکر خوف زدہ ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے نادم ہو کر شاہ کبیر سے معافی چاہی اور کہا کہ جو سزا آپ تجویز فرمائیں میں اس کے قابل ہوں۔ شاہ کبیر نے جواب دیا "جو اپنے لئے کانٹے بوئے اس کے لئے پھول بونے چاہئیں"

ان روایات میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ کبیر کو ایک ہندو سادھو کا جامہ پہنا دیا جائے اور اس کو سادھو بنانے کے لئے بہت سی عجیب خلاف عقل اور دور از کار روایتیں ان کی ذات سے منسوب کی ہیں۔ ابتدائے ولادت سے انکی زندگی کا ہر واقعہ نہایت عجیب و غریب پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا انکی پیدائش بھی ہندوؤں کے اوتاروں کی طرح ایک نرالے طریقے سے ہوئی۔ لیکن ہر واقعے کو بہ نظر تعمق دیکھنا چاہئے۔ ادی گرنتھ میں کبیر کا حسب ذیل مقولہ درج ہے:

"میرا گھر دریائے گومتی کے کنارے پر ہوتا ہے جہاں میرے پیر و مرشد گیروا پوشاک زیب تن کئے ہوئے سکونت پذیر ہیں"

بظاہر یہاں جون پور کا حوالہ دیا ہے جو دریائے گومتی کے شمالی ساحل پر واقع ہے یہ شہر سلاطین شرقی کا پایۂ تخت تھا۔ جس میں ابراہیم شرقی علم و فضل کا بڑا قدردان اور مربی تھا، جس کا زمانہ ۱۴۰۱ء سے متصل ہے۔ یہ مقام نہ صرف علم کا مرکز تھا بلکہ بڑے بڑے صوفیائے کرام اور جید علماء کی قیام گاہ تھا۔ لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ کبیر کو ان میں کسی سے ارادت تھی۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبیر کی تعلیم سے بکثرت مسلمان اور ہندو ناخوش تھے۔ ممکن ہے کہ سکندر لودی جب ۱۴۹۵ء میں جون پور آیا تھا تو دونوں فریقوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اُن کی شکایت کی ہو اور ان کی ہلاکت کے درپے ہوئے ہوں۔ مسلمان حکمران صوفیائے اسلام کو مذہب کی تحقیق و تنقید میں بہت زیادہ آزادی دے دیتے تھے اس لئے ان کے دشمنوں کو اندیشہ تھا کہ مبادا سکندر اُن کو معاف کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بادشاہ نے ان کی جان بخش دی۔ البتہ اسقدر ضرور قرین قیاس ہے کہ کبیر اس واقعے کے بعد شہر بدر کر دئے گئے تاکہ عوام الناس برانگیختہ نہوں۔

محمد محسن فانی نے اپنی ایک فارسی تصنیف میں لکھا ہے کہ کبیر جولاہا اور موحد تھا وہ راہ حق کی جستجو میں صوفیائے کرام اور ہندو سادھوؤں سے اکثر ملا کرتا تھا۔ اسی کتاب سے ذیل کا قصہ ماخوذ ہے۔

ایک روز چند برہمن گنگا کے پانی کے مطہر ہونے کے اوصاف پر بحث کر رہے تھے کہ شاہ کبیر نے اپنے لکڑی کے پیالے میں پانی بھر کر اُن کو پینے کے لئے دیا۔ وہ

ایک چھوٹی ذات کے آدمی کے برتن میں پانی پینے کے خیال سے پریشان ہوگئے۔ کبیر نے اس پر کہا کہ گنگا کا پانی اگر میرے پیالے کو پاک نہیں کر سکتا تو میرے معاصی کو کیونکر دھو سکتا ہے۔ ابوالفضل نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے کہ کبیر قوم کا جولاہا اور موحد تھا۔ کبیر کے جولاہے ہونے کی بابت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ کبیر پیدائشی ہندو تھے انہوں نے صرف ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں پرورش پائی تھی لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اُن کا پیدائشی مسلمان ہونا اُنکے نام سے ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ کبیر عربی لفظ ہے اور ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ اس کا نام عربی مادے سے ماخوذ ہے۔ ہنود نے لفظ کبیر کی تاویلیں کر کے اس کو زنار اور قشقے سے آراستہ کرنا چاہا ہے لیکن ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

کبیر کے موحد ہونے کی شہادت بھی ہم کو جا بجا ملتی ہے۔ مسلمانوں نے کسی زمانے میں بت پرست کے لئے موحد کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ ہنود کا یہ عقیدہ کہ وہ موحد نہیں تھا چند غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ اول تو یہ کہ مابعد زمانے میں جو تعلیم کبیر پنتھیوں نے پھیلائی اس کا ماخذ کبیر خیال کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بیجک (کتاب کبیر) کا ہر لفظ اس کے ذاتی عقائد کا عکس سمجھا جاتا ہے۔ اور فی الحقیقت یہ دو بڑے وجود ہیں جن سے دہوکا ہوتا ہے کہ کبیر ضرور ہندو تھے مگر ذرا سے غور کے بعد یہ سطحی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور اصلیت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

مسلمان مصنفین نے لکھا ہے کہ مثل دیگر صوفیائے اسلام کے شاہ کبیر کا بھی عقد ہوا تھا۔ اور جیسا کہ مسلمانوں میں دستور ہے اس کی زوجہ کا نام کہیں مذکور نہیں تھا۔ اس لئے ہنود نے اس کا ہندی نام گھڑا۔ اور لوئی رکھا۔ (یعنی اونی چادر) اد گرنتھ میں بھی اُن کی شادی ہونے کا ذکر آیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کبیر صاحب اولاد تھے۔ اُن کے ایک بیٹا تھا جسکا نام انہوں نے کمال رکھا۔ اب یہاں نام کی بابت پھر ہمارے برادران وطن کو دقت پیش آتی ہے اور جو لوگ کبیر کو ہندو ساد

تباتے ہیں کیوں کر اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔

کمال کو سنسکرت میں تبدیل کرنا غیر ممکن معلوم کر کے اس کو صرف ہندی کا جامہ پہنانے پر اکتفا کی ہے اور اس کو کمل بنایا ہے لیکن یہ تبدیلی نہایت بعید از فہم ہے۔

کبیر کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب اس باب پر متفق ہیں کہ انکی زندگی کا خاتمہ مقام مگہار ضلع گورکھپور میں ہوا اُن کے انتقال کے بعد مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان میں یہ بحث پیش ہوئی کہ آیا کبیر کو دفن کیا جائے یا جلایا جائے اس مسئلے کا فیصلہ ذرا وقت طلب تھا۔ لیکن اس کا تصفیہ عجیب و غریب طریقے سے ہوا۔ دوران بحث میں کبیر خود ظاہر ہوئے اور انہوں نے ہدایت کی کہ کفن اٹھایا جائے کفن اُٹھا کر دیکھا گیا تو بجز چند پھولوں کے اور کچھ نہ تھا کچھ پھول ہندو اُٹھا کر بنارس لے گئے اور ان کو وہاں جلایا اور کچھ پھول مسلمانوں نے لے جا کر مگہار میں دفن کر دیئے۔ واللہ اعلم۔

کبیر کے مسلمان ہونے کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ شیخ تقی ایک مسلمان بزرگ تھے جو خاندان سہروردیہ میں مرتاض بزرگ مانے گئے ہیں یہ بزرگ جھوسی ضلع الہ آباد میں قیام پذیر تھے اور ۱۴۲۹ء مطابق ۷۸۵ھ ہجری میں اُن کا وصال ہوا اور جھوسی ہی میں ان کا مزار ہے۔ شاہ کبیر کو ان بزرگ کے ساتھ مریدانہ نسبت تھی۔ ایک روز کبیر گرسنہ اپنے پیر و مرشد کے پاس پہنچے اور کھانا مانگا۔ آپ نے تھوڑا سا ساگ بھات اور مٹھا چھاچھ کھانے کو دیا۔ کبیر نے اس کھانے کو اس موقع کے لئے نہایت ناکافی خیال کیا اور کہا۔

ساگ بھات چروائی ماٹھا + ہمرے پیر کے یہ ہی ہاٹا

شیخ اس اظہار ناشکری پر ناخوش ہوئے اور فرمایا۔

یہ چھوڑ اور کیا کھائے ماٹی + تو اوپر پڑے چھ ماس کی ٹاٹی

یہ مضمون کسی حد تک طویل ہو گیا ہے لیکن بلحاظ ضرورت مختصر ہے۔ تاہم اکثر ضروری مسائل اور شاہ کبیر کے موحدانہ اور عارفانہ کلام کی مثالیں اس وقت صرف طوالت کے خوف سے نظر انداز کر کے رخصت چاہتا ہوں۔

کتابوں کا رعایتی اعلان محصول ڈاک بذمہ خریدار

	اصلی قیمت	رعایتی قیمت		اصلی قیمت	رعایتی قیمت
حقیقت کی سیر ترجمہ منظوم معہ			آغاز اسلام	۸ر	۵
رباعیات سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ	عہ	۱۲ر	صد پارہ دل یعنی تذکرہ		
تاج الکلام ترجمہ منظوم معہ رباعیات			مشاہیر عالم از مولوی عبدالحلیم		
عمر خیام معہ فوٹو و حالات عمر خیام	عہ۸ر	عہ۸ر	صاحب شرر ہر دو جلد کامل	عہ۸ر	عہ۸ر
جواہر منظوم ترجمہ منظوم معہ			ہفت بہشت یعنی سوانح		
رباعیات و حالات سرمد مرحوم	۱۲ر	۹ر	عمری خواجگان چشت اہل بہشت	عہ۴ر	۱۴ر
سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول			سچی سوانح عمری حضرت خواجہ		
۵۷۲ صفحے او جلد دوم ۵۳۲ صفحے			اجمیریؒ	عہ	۱۰ر
کل ۱۱۰۴ صفحوں کا نادر مجموعہ	۱عہ	ے	سفرنامہ ہستی یعنی نیرنگی دنیا		
فردوس آسیہ	عہ۸ر	عہ	از شرر	عہ۴ر	۱۴ر
الفاروق از شبلی نعمانی	عہ	۱۲ر	اسلامی سوانح عمریاں معہ		
سیرۃ النعمان "	عہ۸ر	۱۰ر	فوٹو مولانا شرر	عہ۸ر	عہ
سوانح عمری مولانا رومؒ "	عہ۸ر	۱۲ر	چمنستان سخن	۸ر	۶ر
الہارون - - -	عہ	عہ	ایک عیاش کی ڈائری یا مرقع		
المامون از شبلی نعمانی "	عہ۸ر	۱۰ر	عبرت	۸ر	۶ر
الغزالی "	عہ۸ر	۱۰ر	نجیب الطرفین	۴ر	۳ر
مقالات شبلی "	عہ	۸ر	سیر خرابات	۶ر	۴ر
حیات سعدی "	۸ر	۴ر	مثنوی عقد گوہر یعنی موتیوں کا ہار	عہ۸ر	۱۲ر
حیات حافظ "	۸ر	۴ر	جوانی کی بہار ترجمہ ضیاء الابصار	عہ	۱۰ر
سفرنامہ روم و مصر و شام	عہ۸ر	۱۲ر	مجموعہ مجربات بوعلی سینا	عہ	۱۰ر
رسائل شبلی "	عہ۸ر	عہ	مسٹر بہاری بھرکم کی ڈائری	۶ر	۴ر
مجموعہ نظم شبلی "	۸ر	۵ر	مسٹر مجنوں -	۶ر	۴ر

	اصلی قیمت	رعایتی قیمت		اصلی قیمت	رعایتی قیمت
عورت کا ارتقا	۴ر	۳ر	حیات نادر جنرل نادر خاں کے		
بہشتی زیور کامل معہ گوہر	۶/	عہ/	ابتدائی حالات	عہ/	۱۵ر
نیک بیبیوں کی کہانیاں حصہ اول	۴ر	۲ر	خوشیہ دستور العمل	/.	—ر
نیک بیبیوں کی کہانیاں حصہ دوم	۴ر	۲ر	رسالہ مرغ بازی	۶ر	۴ر
فضائل اسلام	۸ر	۶ر	دیوان فضل	۶ر	۳ر
ہندو دھرم اور اسلام	۱۰ر	۷ر	اصلی میلاد شریف اکبر وارثی میرٹھی	۱۲ر	۸ر
توحید	۸ر	۶ر	ملال حسین فی احوال الشہادتین	عہ	۱۳ر
انیس الغربا	۴ر	۳ر	باغ کلام اکبر	۴ر	۳ر
اقل قلیل اسلام	۲ر	۱ر	فلسفہ مضامین از مولوی		
فغان تجاری	۴ر	۳ر	عبدالماجد بی۔اے	۸/	عہ
جدید علم کلام کی ضرورت	۴ر	۳ر	خطوط اکبر الہ آبادی	۸/	عہ
ثروت دلہن	عہ/	عہ	مکاتیب اکبر الہ آبادی	عہ	۱۳
مس عنبریں	عہ	۱۲ر	لڑائی کا گھر یعنی پورا میگزین		
دل کا عجائب خانہ	۶ر	۴ر	از خواجہ حسن نظامی	۶ر	۴ر
دبستان	۴ر	۳ر	مجموعہ اتالیق خطوط نویسی از		
لطف زندگی	۲ر	۱ر	خواجہ حسن نظامی	۴/	۱۴ر
بدنصیب بدکاریں	۴ر	۳ر	کم ٹو موت از خواجہ حسن نظامی	عہ	۱۲ر

دولہن کی ڈائری

میاں بیوی۔ عورت مرد۔ دولہا دولہن کتابیں جو دولہن کی ڈائری سے پہلے شائع ہو چکی ہیں وہ دولہن کے ڈائری کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ دولہن کی ڈائری زن و شوہر کی زندگی کا نہایت پاکیزہ اور نفیس مرقع ہے۔ اصلی قیمت عہ/ رعایتی قیمت ۱۵ر

اردوئے معلی دہلی

جلد ۸ بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء نمبر ۲

اردوئے معلی نے خریداروں اور غیر خریداروں نیز سب مسلمانوں کو عید مبارک ہو۔ رمضان المبارک کے روزہ داروں کو عید کی سویّوں اور مٹھائیوں نے بیمار کر دیا۔ اناپ شناپ کھانے سے کوئی بخار میں مبتلا ہوا اور کوئی بدہضمی اور درد شکم میں۔ آج ۱۳ فروری ہو گئی اور عید کو چھ تاروز ہے مگر کاتب صاحب کی علالت کی وجہ سے ہنوز کاپیاں ناتمام ہیں۔ کل رسالہ کی روانگی کا دن ہے اور امید نہیں کہ وقت پر رسالہ شائع ہو سکے۔ اس لئے ۴۴ صفحوں کی جگہ ۲۴ صفحے نذر ناظرین ہیں اور وہ بھی غیر مسلسل۔ اردوئے معلی کا عنوان پہلے صفحہ پر ہوا کرتا ہے مگر اس مرتبہ جو بیسویں صفحے پر لکھا گیا۔ انتخاب رسائل کا سلسلہ بھی مجبوراً اس پرچہ میں بند کر دینا پڑا۔ جنوری کے اردوئے معلی میں لکھا تھا کہ آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ پوری پابندی کے ساتھ رسالہ شائع ہوتا رہیگا لیکن افسوس کہ اتفاقی اسباب نے دو تین دن کا وقفہ کر دیا۔

حضرت شائق شاہجہانپوری اور جناب سرور و طاہر صاحب سے خاص طور پر التماس ہے کہ اردوئے معلی کیلئے مضامین ماہ بماہ عنایت فرماتے رہیں خدا کو منظور ہے تو مارچ سے اردوئے معلی میں نمایاں تبدیلی ہو جائے گی۔

جن لوگوں کی خدمت میں بطور نمونہ یہ رسالہ روانہ کیا جاتا ہے ان کو لازم ہے کہ ایک روپیہ کا منی آرڈر روانہ کر کے سال بھر کے لئے خریدار بن جائیں۔ یقین جانئے کہ آپ کو ایک روپیہ میں اردوئے معلی مہنگا نہیں پڑے گا۔ اسکے رنگا رنگ مضامین آپ کو بے حد محظوظ کریں گے۔

[illegible] کی ڈائری

شریف اور عصمت مآب عورتیں کیسے بدکار بن جاتی ہیں۔ بدکاری کی ابتدا اور انتہا۔ ایک بدکار [illegible] لڑکیوں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ معاشرتی کمزوریاں کیا ہیں، اور [illegible] ہو سکتی ہیں۔ اس مضمون پر ایسی دلچسپ۔ جامع اور سبق آموز کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸/)

عجیب الطرفین

یورپ پرستی کا نتیجہ۔ فیشن کی تعلیم کی خرابیاں۔ ماں باپ کے اخلاق کا اثر اولاد پر۔ آزادی کے نقصانات۔ بے پردگی کے نتائج۔ ایک آزاد پرست عورت کا ایک بیرسٹر کے دام تزویر میں پھنس کر شادی کی امید پر اپنی عصمت کو قربان کر دینا۔ فطرت انسانی کی کمزوریوں کا مطالعہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ ضرور پڑھیئے۔ قیمت صرف چار آنے ۴/

سیر خرابات

ظرافت کے مخصوص انداز میں دہلی کی عیاشی۔ اور آوارگی کے خفیہ راز۔ ایک شریف انسان کی تباہی دوست احباب کی ستم ظریفیاں۔ سود خوار مہاجنوں کی دست درازیاں۔ ایک طوائف کی عیاریاں۔ فریب حسن کے کرشمے۔ عصمت فروشی اور محبت کا پردہ۔ زمانے کے نشیب و فراز۔ راہ راست اور توبہ کی تسکین۔ قسمت کا زبردست انقلاب قیمت ۶/

[illegible]

ایک رئیس کا رہبر راہ حقیقت کی جستجو میں ایک گندم نما جو فروش پیر سے بیعت ہونا اور اپنی نوعمر اور حسین لڑکی بھی بیعت کرانا پیر صاحب کا لڑکی کے باپ کو زہر دیکر لڑکی کی جائیداد پر قبضہ کر کے لڑکی سے جبراً نکاح [illegible] انتقام سے اندھی ہو کر لڑکی کی آوارگی اس کے بعد لڑکی کا اپنی جائداد پر قبضہ اور ایک شریف سے نکاح کرنا۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸/)

یہ سب کتابیں ملنے کا پتہ

شاہجہانی پریس دفتر اردوئے معلی کٹرہ گوکلشاہ دہلی

۶۰۰

چھ سو برس پہلے

ہندوستان میں سب سے پہلا مسلمان

یعنی ۷۲۵ ہجری میں دنیا کے عجیب غریب حالات و واقعات کا مسلمان سیاح ابن بطوطہ کا سفرنامہ جس میں پچیس برس کے حالات سفر درج ہیں، یہ پہلا مسلمان سیاح ہے جو ہندوستان میں آیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے چھ صدی پہلے کی ہندوستانی معاشرت شاہان اسلام کی بے نظیر اولوالعزمی۔ ہندوؤں کے ساتھ بہترین برتاؤ کی مستند مثال ملتی ہے۔

جلد اول کا ترجمہ جناب عطاء الرحمن صاحب نے کیا ہے قیمت [illegible] کاغذ چکنا [illegible]

جلد دوم کے مترجم جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ سی آئی مرحوم ہیں۔ کاغذ چکنا ٹائٹل رنگین خوشنما۔ ۵۲۲ صفحات۔ قیمت فی جلد تین روپے

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول

حالات مکہ معظمہ	مدینہ منورہ	بیت المقدس	قسطنطنیہ	کربلائے معلی
قاہرہ	اسکندریہ	حلب	مشہد	کوفہ
بغداد	مشرقی افریقہ کی سیر	افغانستان	کابل کے سفروں کا بیان	

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم

حالات سندھ	پتنگ لکڑی	چین کی دیوار	شام	تورڈان
ملتان سے دہلی کا سفر	لونگ کالی مرچ	چین کے مرغ	مسقط	[illegible]
سلطان محمد تغلق	جاوا و سماٹرا	[illegible]	اصفہان	[illegible]
سفیر دہلی کا سفر	ناچنے والا گھوڑا	شعبدہ باز	ٹیونس	آدم خور
ہوگی اور روانی	چین	عرب	اندلس	دریائی گھوڑا
چین کے جہاز	چینی کے برتن	ایران	جبرالٹر	[illegible]

اردوئے معلی دہلی

نمبر ۶	بابت ماہ جون ۱۹۳۲ء	جلد ۵

اس مرتبہ رسالہ کی اشاعت میں پندرہ سولہ روز کی تاخیر ہوگئی میری اہلیہ دس مہینے تک تپ دق میں مبتلا رہ کر ۱۱ جون ۱۹۳۲ء کو راہی ملک بقا ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجھے افسوس ہے کہ جنوری ۳۲ء سے اردوئے معلی کو جس پیمانہ پر ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے والا تھا وہ نہ کرسکا اس کا سبب بھی مرحومہ کی بیمارداری تھا۔ خدا کو منظور ہے تو اگست یا ستمبر سے اردوئے معلی بہترین صورت میں شائع ہوتا رہیگا۔

موجودہ نمبر صرف ۱۶ سولہ صفحوں پر طبع ہوا ہے آیندہ اس کمی کی تلافی کی جائیگی اگر اس مہینہ کا پرچہ شائع نہ کیا جاتا۔ تو سلسلہ منقطع ہو جاتا اس لئے پریشانی میں جسطرح ممکن ہوسکا یہہ اوراق نذر ناظرین ہیں امید کہ اس قدرتی مجبوری پر ضرور خیال کیا جائے گا۔

مئی کا پرچہ ۶۵ خریداروں کے نام وی پی کیا گیا تھا ان میں سے صرف پندرہ خریداروں نے وی پی وصول کیا اور ۵۰ وی پی واپس آگئے

اپریل کے اردوئے معلی میں ان لوگوں کے نام شائع کرکے اطلاع دیدی گئی تھی کہ مئی کا اردوئے معلی وی پی ہوگا مگر سوائے دو تین خریداروں کے

(جنہوں نے بذریعہ کارڈ اطلاع دیدی تھی کہ ہمارے نام وی پی نہ بھیجا جائے) سب خاموش بیٹھے رہے اگر خریداری منظور نہ تھی تو تین پیسہ کے کارڈ پر انکار لکھ بھیجتے کہ ہمارا ۲؎ر کا نقصان تو نہ ہوتا۔ جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل کے چار پرچے بلاقیمت پہونچ چکے تھے اگر تین پیسہ اپنی گرہ سے بھی خرچ کردیتے تو دفتر ۲؎ر کے نقصان سے بچ جاتا۔ ایک خریدار بھی ایسا نہیں ہے جس کے بغیر طلب اردوئے معلی جاری کیا گیا ہو اوس پر یہہ حالت ہے کہ تین پیسہ اپنی گانٹھ سے نہ نکالے گئے اور دوسرے کا ۲؎ر کا نقصان کردیا۔

(یرودا جیل میں گاندہی مہاراج کو معلوم ہو)

کہ ابھی ہندوستانیوں میں سوراج لینے کی قابلیت نہیں ہے تم کیوں مفت میں تکلیفیں اوٹھا رہے ہو جو لوگ پانچ آنہ کا سال خرید کر تین پیسہ بھی گرہ سے نہیں دے سکتا اور الٹا مال والے کو ۲؎ر کا چرکہ دیدیتا ہے وہ کیا خاک سوراج حاصل کرسکیگا۔

---

۲۸ پرچے اون لوگوں کے نام وی پی کئے جارہے ہیں جن کو گذشتہ مئی کے اردوئے معلی میں اطلاع دی جاچکی ہے دیکھئے ان میں کتنے وی پی وصول کرتے ہیں اور کون کون واپس کرتا ہے۔ جولائی کے پرچہ میں واپس کرنے والوں کے نام معہ پتہ کے خریداران اردوئے معلی کی نظر سے گذرانے جائیں گے۔

مرقع عبرت (یا) ایک عیاش کی ڈائری

(بسلسلہ اپریل [illegible])

پانچواں باب

شیخ ایک غریب مگر شریف خاندان کے کامیاب ممبر۔ شباب کے زمانہ میں سرکار انگریزی کے محکمہ افواج ہند میں ایک گماشتے تھے۔ فوج کے ایک حصہ کی شکم پری ان کا فرض متعلقہ تھا۔ گوشت، سبزی، ترکاری، چارہ، چینی، اور تمام سامان جو انسانی روح اور جسم کو یکجا رکھنے کا ضامن ہے۔ شیخ صاحب کی معرفت فراہم کیا جاتا۔ ٹھیکہ داروں سے بڑی بڑی رقوم رشوت میں وصول کی جاتیں۔ سرکاری روپے میں سے ایک معقول رقم نرخ کی کمی بیشی کے حیلہ سے غصب کی جاتی۔ مگر ایک دن یہ تمام دست درازیاں طشت ازبام ہو گئیں۔ اور شیخ صاحب ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔ مگر شیخ صاحب کو نہ اس کا رنج تھا نہ افسوس۔ اُن کے پاس بیس پچیس ہزار روپیہ نقد موجود تھے۔ اور انہوں نے اسی سرمایہ کو تجارت میں لگا دیا۔ مگر یہ ناجائز طور سے فراہم کی ہوئی رقم اپنا انتقام لیکر رہی۔ اور شیخ صاحب کو تجارت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

شیخ صاحب کی پہلی بیوی ایک نہایت شریف خاندان کی حسین عورت تھی۔ مگر شیخ صاحب نے کم درجہ کی ایک ہندو عورت کو مسلمان کر کے اپنی محبت کا وقار قائم رکھا۔ اور پہلی بیوی کو طلاق دیکر نجات حاصل کر لی۔ شیخ صاحب کی محبوبہ کی نسائیت ایک بچہ سے زیادہ کی متحمل نہ ہو سکی۔ اور یہ ایک لڑکی تھی جس کا نام باپ نے مختار بیگم اور ماں نے "مکو" رکھا جب مکو جوان ہوئی تو اس کی نسبت شیخ صاحب نے اپنے ایک آسودہ حال دوست کے لڑکے سے کر دی۔ مگر نکاح اور رخصت

کے لئے شیخ صاحب کے پاس کافی اثاثہ نہ تھا۔ اس لئے اس تقریب کو اس وقت تک ملتوی کر دیا گیا کہ شیخ صاحب روپیہ فراہم کر سکیں۔ مگر ارباب قضا و قدر انسانی ضروریات کے پابند نہیں۔ اور انہوں نے وقت مقررہ پر اپنے فرائض انجام دیکر شیخ صاحب جہان فانی سے عالم جاودانی کو منتقل کر دئے گئے۔ غریب بیوہ کے لئے بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ایک طرف تو اُس کا اپنا گھر خاک میں مل گیا۔ دوسری طرف۔ لڑکے کے والدین نے جب اس دولت کے دفینہ کو مفقود پایا جس کی امید انہیں شیخ صاحب سے تھی۔ تو انہوں نے نسبت قطع کر لی۔ جب شیخ صاحب کا متروکہ اثاثہ ختم ہو گیا تو "کمو" کی ماں نے اپنی اور لڑکی کی شکم پُری کرنے کیلئے "عبرت" کے اں کھانا پکانے کی ملازمت کر لی۔ اب عبرت کی ہوس پرستیوں نے "کمو" کے حسن و شباب کو آماجگاہ بنایا۔ اور بہت رقم قربان کر کے اس پر قابو حاصل کر لیا۔ اس رقم سے "کمو" کی ماں نے اُسکا تمام جہیز تیار کیا۔ اور آخر "عبرت" سے مختلف طور پر بڑی بڑی رقمیں حاصل کر کے ان تمام مراسم اور شان و شوکت کے ساتھ جنہیں ہندوستان کے مسلمانوں کی مراسم پرستی نے لازم اور ملزوم قرار دیا ہے "کمو" کی شادی ڈاکٹر کے صاحبزادے سے کر دی مگر ایک ہی دن کے بعد طرفین کو اپنی اپنی غلط کاریوں کا نتیجہ معلوم ہو گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ "کمو" بہت عرصہ پیشتر اپنی دوشیزگی کھو چکی ہے اور بدنصیب "کمو" اس ذلت اور بری طرح سسرال سے نکالی گئی۔ کہ اُسے نکاح سے نفرت ہو گئی ہی نہیں بلکہ وہ علانیہ بدکار ہو گئی۔ اور اب ہر شخص اُسے چاوڑی بازار میں "[illegible]" کے نام سے عصمت فروشی کرتے دیکھ سکتا ہے۔

[illegible] کے نقصانات وہ ہیں یہ مراسم جن کو آج مسلمانوں نے اپنے برگزیدہ اور سلوے [illegible] بنا رہا ہے۔ اسلام کی زریں تعلیم کہ ایک پیالہ شربت پر نکاح ہو سکتا [illegible] گئی۔ نام و نمود کے پیچھے اور جھوٹی نمائش کی پیروی میں مسلمانوں

کی تمام کوششیں انہیں مذہب اور اسلام سے دور کر رہی ہیں۔ اور ان لایعنی خواہشات کی تکمیل اس بری طرح مسلمانوں کی گلوگیر ہے کہ کسی طرح اس سے نجات ملتی نظر نہیں آتی۔ مسلمان چشم بصیرت سے بدنصیب "کوہ" کی تباہی پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں اگر شیخ صاحب ناجائز آمدنی روا نہ رکھتے تو ملازمت سے برطرف نہ کئے جاتے۔ ان کا اثاثہ جو رشوت کی ناجائز آورد نے فراہم کیا تھا۔ یوں برباد نہ ہوتا۔ اگر وہ اپنی پہلی بیوی کی زندگی تباہ نہ کرتے تو ان کی اپنی لڑکی کی زندگی تباہ نہ ہوتی۔ اگر وہ ایک ذلیل عورت کو اپنی زندگی کا شریک نہ بناتے تو وہ ان کی لڑکی کی عصمت ... نہ فروخت کرتی۔ اور اس معصیت کی سزا "کوہ" کو اس بری طرح نہ ملتی کہ وہ اپنی سسرال میں سے ذلیل ہو کر نکلتی۔ اور اگر "عبرت" اسے بدکاری کی تعلیم نہ دیتا اور اسے یہ سبق نہ پڑھاتا۔ کہ عصمت فروشی بھی زرخیز ہو سکتی ہے تو وہ اس طرح ایک بازاری عصمت فروش عورت نہ بنتی۔

ابن الادیب جناب محمود شیر خاں صاحب طبیب میرٹھی دار دحال ہریلی نہر سار دا

ضبط ذرا نہ ہو سکا مشت غبار دیکھ کر　　چین بجبیں وہ ہو گئے میرا مزار دیکھ کر
باغ جہاں سے ہو گئے محفل یار دیکھ کر　　شاد ہو نگے خلد کے نقش و نگار دیکھ کر
دید سے اسکے بیخودی مجھکو ہوئی تو کیا خطا　　طور پہ کیوں گرے کلیم جلوۂ یار دیکھ کر
گل کی رہی نہ کچھ خبر دھوکے میں آ گئی نظر　　عالم دلفریب کے نقش و نگار دیکھ کر
نشہ کہیں اتر نہ جائے اسپہ ذرا نظر رہے　　ساقی پلائے جام مے حد خمار دیکھ کر
صدقے میں تیرے کیسی کر دیا تو نے کامیاب　　اس نے بلا لیا مجھے حالت زار دیکھ کر
پہلو میں دل سنبھلیں تم ستم ہیں ہماری جان ہے　　تیر نگاہ ناز کا کیجئے وار دیکھ کر
نالہ لبوں پہ تھا۔ ہاتھ ادھر جگر پہ تھا　　قابو میں دل نہیں رہا صورت یار دیکھ کر
بالیں سے کیسے وہ اٹھے ہے یہ مآل عشق کا　　عاشق جاں نثار کی حالت زار دیکھ کر

حسن یلدم کا اثر لیگیا دل کو چھین کر
دہوکے میں آگئی نظر جلوۂ یار دیکھکر

اردوئے معلےٰ کے آئندہ نمبر میں بیٹے کی قربانی کے عنوان سے ایک سنسنی خیز فسانہ قسطوار درج ہوگا جو بریلی کے مشہور افسانہ نگار شیخ محمد ادریس صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے ناظرین منتظر رہیں۔ طبیب

قلعہ نرنالہ کی سیر

(از جناب ماسٹر محمد حمزہ خاں صاحب جذبی نظامی)

صوبہ برار ہندوستان میں شاید سب سے چھوٹا صوبہ ہے جو چار اضلاع اور بائیس تعلقہ جات پر منقسم ہے جس کی مردم شماری ۳۵ لاکھ کے قریب اور رقبہ ۷۶۰ مربع میل اس صوبہ میں اسلامی حکومت کی یادگاریں بہت کم ہیں اگرچہ کچھ بھی ہیں وہ قابل تعریف ہیں لیکن برار کے بسنے والے عموماً سب اور خصوصاً مسلمان اس قدر بے حس ہیں کہ اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ ہم کون تھے اور اب کیا ہیں؟۔

جب سے یہ صوبہ حیدرآباد دکن کی ریاست سے علحدہ کیا گیا تب سے تو مسلمانوں کی تمدنی تجارتی و معاشرتی پستی کی حد ہی نہیں رہی ۔

اگر اس صوبہ کو ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے کچھ فوقیت ہے تو یہاں کی زمین ہے جو در اصل سونا اگلتی ہے اسی وجہ سے لارڈ کرزن کے منہ میں پانی بھر آیا اور ہر ناممکن ذریعہ استعمال کرکے برار نظام سے علحدہ کر دیا گیا۔ میں انشاء اللہ تعالےٰ ناظرین رسالہ کے لئے برار کے تمام آثار اور ان کے واقعات رفتہ رفتہ پیش کرونگا، تاکہ یہ گمنام صوبہ روشنی میں آ جائے۔

آج صرف ایک ایسے قلعہ کا ذکر کرتا ہوں جو اپنی نوعیت ... عجیب و غریب ہے

میرے ایک کرمفرما حکیم حسن علی صاحب کی مہربانی سے مجھکو نرنالہ جانیکا موقع ملا۔ کسی زمانہ میں یہی نرنالہ تمام برار کا پایۂ تخت تھا۔ مگر آہ آج درندوں کا مسکن ہے۔ ہم صبح ۷ بجے اکوٹ سے بذریعہ بیل گاڑی روانہ ہوئے اور ۲ گھنٹہ میں ست پڑھا پہاڑ کے دامن میں پہونچگئے۔ یہ پہاڑ برار کی شمالی سمت پر گھرا ہوا ہے اور اسی پہاڑ کو عجیب قسم سے تراشکر قلعہ بنایا گیا ہے جسکا رقبہ ۲ میل سے کم نہیں ہے۔

گاڑی سے اُترکر تمام سامان بیلوں پر لادکر پیدل چلنا شروع کیا۔ کیونکہ کم از کم تین میل کی بلندی ہے۔ جب ایک میل کی بلندی طے ہوگئی تو ہم ایک چٹیل میدان میں پہنچے جو یقیناً ۵-۶ میل سے کم وسیع نہ ہوگا۔ جو نظارہ آنکھوں نے اس میدان میں دیکھا وہ کبھی فراموش نہ ہوگا۔ یعنی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں سیاہ پتھروں کے نقش و نگار سے مزین تعویذ پڑے ہوئے ہیں۔ جو غازیوں اور بہادروں کی مردانگی کی شہادت دے رہے ہیں ہر ایک تعویذ سینکڑوں روپے کی لاگت سے تیار ہوا ہوگا۔ ہمارے گائڈ (رہنما) جناب حکیم حسن علی صاحب نے ان بہادر مجاہدین کی مختصر تاریخ بیان کی کہ یہ بہادر مجاہدین کس طرح نرنالہ کے راجہ سے (جو بڑی طاقت والا تھا) لڑے اور اسلام کی عزت کو بلند و بالا کیا۔ اس مختصر تاریخ نے جو اثر دل پر کیا وہ قابل بیان نہیں۔ آہ آہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ کچھ کم ایک میل چلے ہونگے کہ پہلا حصار قلعہ کا نظر آیا، مگر میلوں تک کس خوبی سے تراشا ہوا تھا کہ عقل دنگ تھی قریب جانے تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دروازہ کہاں ہوگا اور اچانک تھوڑا سا چکر طے کرنے کے بعد ایک عظیم الشان دیوار خاص پتھر کی نظر آئی، یہ دیوار گویا دروازہ کو غلام گردش کا کام دیتی تھی، دیوار اوٹ ہوتے ہی حیرت انگیز دروازہ نظر آیا، جس کی بلندی، پتھروں کی صفائی اور بناوٹ نے محو حیرت کر دیا، ایک ایک پتھر اس قدر طویل و عریض کہ اس زمانہ کی جرثقیل اُس کا بیسواں حصہ بھی نہیں اُٹھا سکتی، دروازے کی پیشانی پر، انا فتحنا کا مقدس

سورہ اسلامی شان کا پتہ دے رہا تھا۔ خط کی نفاست۔ طغروں کی کشش اگر معجزہ نہیں تو کرامت ضرور رکھتی، یہ پہلا حصار ہے جس کا رقبہ ۹ میل ہے۔

اور آگے بڑھے تو چند فرلانگ کے بعد دوسرا حصار آیا جسکا دروازہ پہلے دروازے سے سبک اور خوبصورت اور آیات قرآنی سے معمور تھا۔ یہ حصار ۷ میل کا ہے۔ اور آگے بڑھے تو پھر چند فرلانگ کے بعد تیسرا حصار ملا۔ یہ ۵ میل کا ہے اس کا دروازہ اتنا نفیس اور خوشنما بنا ہوا ہے کہ یہاں عقل اپنے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ دروازے کے بیچوں بیچ میں ایک پتھر خوبصورت ترشا ہوا نصب ہے اور اسمیں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور نیچے نصر من اللہ فتح قریب موٹے موٹے مگر بیحد خوبصورت حرفوں میں تحریر کیا گیا ہے، اور ہر دو جانب مختلف آیات مقدسۂ قرآنیہ کندہ ہیں اس دروازے کی شان اور خوبصورتی حد بیان سے باہر ہے الغرض اس میں سے جب اندر داخل ہوئے تو ایک وسیع میدان کئی میل کا طویل و عریض نظر آیا اور مسجد کے میناروں نے اسلامی شان کی زندہ تصویر آنکھوں کے سامنے رکھدی۔

ہم نے میدان کا چوتھائی حصہ طے کیا تھا کہ ایک عمارت نظر آئی معلوم ہوا کہ ڈاک بنگلہ ہے، جو شاہی محل کو توڑ تاڑ کر اپنے مذاق کا بنا لیا گیا ہے، مگر عمارت کا ہر پتھر زبان حال سے جو کچھ کہہ رہا تھا اُس کو قلم ادا نہیں کر سکتا۔ اسی بنگلہ میں قیام ہوا۔ اب چار بج چکے ہیں ہم کھانے وغیرہ کے انتظام میں مشغول ہو گئے۔ اور پیادہ پا سفر کی تکان کے سبب سے رات کو ایسے بے خبر سوئے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ صبح کب ہوئی۔

صبح کو اُٹھکر وضو کیا اور قریب کی سیاہ پتھر کی عظیم الشان، خوبصورت مسجد میں نماز پڑھی۔ ناشتہ کیا اور سیر کو چل نکلے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قلعہ کی بالائی سطح ۵ میل کی ہے یہ سب آبادی تھی، اور یہ تین تالاب ہیں اور ۲ مسجدیں شکستہ اور ایک مسجد بالکل صحیح و سالم ہے اور اس قدر

خوبصورت ہے کہ بار بار کہا شاید کسی جگہ ایسی خوبصورت مسجد نہ ہوگی۔

ایک مالوپ ۲۱ فٹ لانبی اور اس کا منہ شیر کے [illegible] سے [illegible] ہے دہلی دروازے پر محمد آتوپ دیکھا [illegible] یہ تمام [illegible] مسلمانوں کی ہیں۔ اس زمانہ کی متمدن قوموں کا دستور [illegible] تین بجے تک ہم نے خوب سیر کی۔ اس کے بعد وہاں سے [illegible] آ گئے۔ والحمد للہ ذالک۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

غزل

جناب خورشید انوری تلمیذ حضرت بیخود دہلوی

گرفتارِ تفکر ہوں اسیرِ دامِ الفت ہوں
نشاطِ زندگی کیسی؟ سراپا درد و حسرت ہوں

تھکا ماندہ مسافر منزلِ مقصود کا جویاں
سرائے غم میں یک لمحہ مقیم شامِ غربت ہوں

ہیں میرے سازِ ہستی میں فنا کی لرزشیں پیہم
ازل سے میں رہینِ منتِ مضرابِ فطرت ہوں

میرے دل میں ترے جلووں کی ہے ہنگامہ آرائی
امینِ گنجِ عرفاں واقفِ رازِ حقیقت ہوں

کبھی تھا میں عزیزانِ وطن کی آنکھ کا تارا
مگر خورشید اب رونق فزائے بزمِ غربت ہوں

جہانگیر و نورجہان

مہرالنساء بیگم کا خطاب نورجہاں بہت مناسب ہوا کہ جہانگیر بادشاہ کا نام نورالدین تھا۔ دونوں۔ دونوں عالم یعنی دین و دنیا کے نور سمجھے گئے۔ جہانگیر بادشاہ کا حال ازروئے تاریخ بہت لکھا گیا ہے۔ اور نورجہاں بیگم کا نام افسانوں کے طور پر۔ افسانہ کیلئے حسن و عشق کی ضرورت ہے۔ حالانکہ مہرالنساء بیگم (نورجہاں) جب محل شاہی میں داخل ہوئیں انکی عمر ایسی نہ تھی جو ہندوستان کے معیار حسن میں حسین سمجھی جاسکے۔ شیر افگن خان سے مہرالنساء بیگم کے اولاد تھی۔ اور بیوہ کے ساتھ شادی حسن و عشق کی غمازت نہیں۔ خاص کر بادشاہ کے لئے۔

مگر بات یہہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے اولاد نہ تھی بڑی منتوں۔ اور درویشوں کی دعاؤں سے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا۔ ایسے اللہ آمین کے بچے ضرورت سے زیادہ نازوں میں پلتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معمولی شائستگی سے گر جاتے ہیں۔ یہہ وجہ تھی کہ ابوالفضل سا مدبر و زمانہ شناس شاہزادے سلیم سے خوش نہ تھا اور اکبر بادشاہ سے شاہزادہ کی شکایت کیا کرتا تھا۔ اس پر جہانگیر نے اپنی شاہزادگی میں ابوالفضل کو مروا دیا: ابوالفضل کی موت اکبر بادشاہ کے مرنے کا سبب ہوئی۔ اکبر کہا کرتا تھا کہ سلیم بابا اگر تجھے بادشاہی درکار تھی تو مجھے مارا ہوتا ابوالفضل بیچارے کو ناحق مارا۔ کہتے ہیں کہ ابوالفضل کے مرنے کا اکبر کو اس قدر غم ہوا کہ بادشاہ جانبر نہ ہوسکا۔ یہہ جہانگیر کی آوارہ مزاجی کا نتیجہ تھا کہ وہ لاجواب زندگیاں خاک میں مل گئیں۔ پھر شیر افگن کے ہاتھی اور شیر سے مقابلے کے لئے وہ تدبیریں کیں جو شایان مردانگی نہ تھیں۔

۔۔۔ نورجہاں بیگم کے ہاتھ میں ساری عنان سلطنت دے دینی کونسی

عقلمندی تھی ؟ نور جہاں خاندان شاہی میں نہ تھی۔ اس زمانہ کا ایک تاجر ...
(ملک ہالینڈ کا سوداگر) پلسیارٹ نامی اپنی رپورٹ میں جو ابھی حال میں ترجمہ ہو کر
شایع ہوی لکھتا ہے [1]

جہانگیر امور سلطنت سے غافل ہو کر بالکل ایک چالاک چھوٹے خاندان کی عورت (نور جہاں) کے ہاتھ میں ہے۔ عورت نے موقع کو غنیمت جان کر اتنا بڑا عروج حاصل کر لیا ہے کہ بادشاہ محض برائے نام رہ گیا ہے نور جہاں کے آور دوں نے ... اس کے عزیز اقارب بڑے بڑے منصبوں پر ہیں۔ نور جہاں اور اُس کا بھائی آصف خاں کے ہاتھ میں ساری سلطنت ہے۔ یہ دونوں مل کر جو چاہتے ہیں کرتے ہیں بادشاہ بھی اگر کچھ کیا چاہے تو جب تک ان کی طرف سے یقین نہ ہو بادشاہ کا حکم بے کار ہے۔ گو ان دونوں (بہن بھائی) کو دنیا کا بڑا عروج و اقبال حاصل ہے مگر پھر بھی رات دن اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ اور بھی عروج زیادہ ہو۔ × × × × × جہانگیر نے گو زنجیر عدل لٹکا رکھی ہے اور فریادیوں کی عرض معروض بھی سُنی جاتی ہے۔ مگر ہاں۔ بہیں جواب کچھ نہیں ملتا: اتنا حکم ہوتا ہے کہ آصف خاں کے پاس جاؤ۔ اور آصف خاں بغیر اپنی بہن کی صلاح کے کچھ نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس کا کام نکلتا ہے وہ جہانگیر کا شکر گزار نہیں ہوتا بلکہ نور جہاں اور آصف خاں کا احسان مانتا ہے۔ × × × × × × × × × × × × × ×

شام کو بادشاہ جب شکار سے واپس آتا ہے تو غسل خانہ میں نشست ہوتی ہے یہاں اور اُمرا بھی جمع ہوتے ہیں اور ایک پہر سوا رات گئے تک یہ مشغلہ رہتا ہے کہ بادشاہ مے کے ۳ جام بہ اندازہ وقت یکے بعد دیگرے پیتا ہے۔ جب آخر جام ختم ہوتا ہے سب رخصت ہوتے ہیں اور بادشاہ خواب گاہ میں جاتا ہے۔ خواب گاہ میں ملکہ (نور جہاں) اپنی خواصوں اور کنیزوں کے ساتھ حاضر ہوتی ہیں۔ ...

بادشاہ پر ہر وقت نشہ یا نیند کا غلبہ ہوتا تھا اُس وقت نور جہاں جو چاہتی تھی سب منظور کرا لیتی تھی۔ شاذ ہی کوئی بات نامنظور ہوتی ہے۔ نور جہاں بیگم کی زبان [illegible] چونکہ اپنا اثر رکھتی۔ بادشاہ شکار میں مصروف رہتا ہے سلطنت کے سارے کاروبار نور جہاں کے اختیار میں تھے۔

یہہ حال کم وبیش پلسپارٹ سیاح کی رپورٹ سے اس جہول سے لکھا گیا کہ نور جہاں بیگم کے افسانے نثر میں تو بہت سا لکھے گئے ہیں۔ ان دنوں ملکہ نور جہاں کے حال کی ایک مثنوی نظم میں جناب نواب صاحب بہادر فرماں فرمائے ریاست لوہارو لکھ رہے ہیں۔ اس وقت مضمون نگار کو کلام کی خوبیوں سے تعلق نہیں اتنا عرض کرنا ہے کہ نور جہاں بیگم کے حال کی مثنوی لکھنی اور اس طرح کہ واقعی وقوعی باتیں لکھی جائیں ازروئے شاعری ذرا مشکل ہے۔ مثنوی میں رزم و بزم کے مضامین کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی حسن و عشق کے افسانے۔ رزم میں تو سوائے شیر افگن خاں کی مروانے کی تدبیروں کے اور کوئی مسالہ نہیں۔ بزم کیا خاک ممکن ہے کہ ایک عمر رسیدہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کا باعث ہو کر گھر میں آئی جس کو عرصہ تک کسی نے نہ پوچھا۔ رہا جوش عشق، اس میں عشق کا جوش اس قدر نہیں جس قدر کہ بادشاہ کے نشہ کا اثر تھا۔ نشہ نے جہانگیر بادشاہ کو امور سلطنت کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ یہہ غفلت نور جہاں بیگم کے عروج کی وجہہ ہو گئی۔ نور جہاں بیگم کا انجام جس طرح کہ چالاکیوں کا مقتضے تھا اطمینان سے کٹ نہ سکا۔ اپنے پہلے شوہر کی اولاد کو سلطنت دلانے میں غلطاں پیچاں رہیں اور جہانگیر بادشاہ سے جو اولاد تھی اُس کو محروم الارث کرنے میں جہاں تک [illegible]۔ یہہ حال پوست کندہ ہے۔

مذہب کے معاملہ میں نور جہاں کے عقاید اثنا عشری تھے سُنّی و شیعہ تھا۔

کی بحث میں شہید ثالث، حضرت مولانا شوستری ایران سے بلائے گئے —
یہاں کے مولوی بھی جمع ہوئے - دربار میں بحث ہوئی: دربار میں نور جہاں بیگم
جہانگیر بادشاہ کے پیچھے بادشاہ کی پیٹھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھا کرتی تھیں: مذہبی معلومات
میں علمائے اثنا عشری عموماً زیادہ دخل رکھتے ہیں - بحث میں اثنا عشری عقاید کو فروغ
نظر آیا نورجہاں بیگم کا اشارہ تھا: اتنے میں سنت جماعت کی طرف حضرت مولانا
شوستری سے کسی نے سوال کیا کہ در حق حضرت سلیم شاہ چشتی رح چہ می فرمائی؟ مولانا
نے ایران میں شاید ان کا نام بھی نہ سنا ہوگا - اہانت سے لاعلمی ظاہر کی: جہانگیر
اب تک تو غافل بیٹھا تھا حضرت سلیم شاہ چشتی رح کے نام کے ساتھ بے ادبی کے
اظہار سے نہایت غصہ میں آگیا اور اسی وقت حکم دیا کہ ملا شوستری کا سر توڑ دیا جائے
جہانگیر نے ایک بے گناہ عالم کا خون اپنے سر لیا: اس نقل کو عقاید سے واسطہ نہیں
نہ کسی کے حق و باطل سے تعلق ہے:

مجھے افسوس ہے کہ غیر زبان سے اردو میں اپنا مطلب ادا کرنے میں امتیازی
الفاظ کی بہت پابندی مجھ سے نہ ہو سکی - تاریخ و تحقیق میں جہاں پوست کندہ لکھا جائے
دستور الانشا کے لمبے چوڑے القاب و آداب کی بہت گنجایش نہیں ہو سکتی: یہ فارسی
کی انشا پردازی کا نقص ہے کہ بلا ضرورت بیکار لفظ جن کو نفس مطلب سے تعلق نہیں
نفس مطلب سے کہیں زیادہ لکھ دیتے ہیں جس سے مطلب دب جاتا ہے:

لاہور میں بادشاہ جہانگیر کے مقبرہ پر فاتحہ پڑھ کر میں نے نور جہاں بیگم
کی قبر تلاش کی - ریلوی سڑک سے اتر کر ایک قبر پر سنگ مرمر کا کتبہ دیکھا
جو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب حافظ اجمل خاں صاحب رئیس دہلی نے
بطور یادگار لگوا دیا ہے:

(خان بہادر میر ناصر علی)

انتخابِ رسائل

(از لسان القوم مولانا صفیؔ لکھنوی)

جہانِ معنی کی معرفت سے ہنوز دل بہرہ ور نہیں ہے
بنا دے کعبہ جو بت کدے کو ابھی وہ ذوقِ نظر نہیں ہے

بنائے ہستی ہے نیستی پر مگر تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
یہ گلشنِ رنگ و بو ہے کیا شے اگر فریبِ نظر نہیں ہے

بدل دیا دورِ زندگی کا تغیرِ دورِ آسماں نے
جو دل تھا پہلے وہ دل نہیں اب جگر بھی اب وہ جگر نہیں ہے

نہ ڈھونڈئیے مرہمِ جراحت کہ رنج ہی میں ہمیں ہے راحت
ہمارے زخمِ دل و جگر کو ضرورتِ چارہ گر نہیں ہے

ہے کہنہ مہماں سرائے ہستی مسافرانِ عدم کی بستی
ہزار چاہیں کہ جم کے بیٹھیں اجازت اس کی مگر نہیں ہے

خموش رہنے دو غمزدوں کو کرید کر حالِ دل نہ پوچھو
تمہاری ہی سب عنایتیں ہیں مگر تمہیں کچھ خبر نہیں ہے

گناہگارانِ مجلس آرا یہ کوئی انصاف ہے خدا را
عطا پر اس کی نظر ہے لیکن خطا پر اپنی نظر نہیں ہے

(از پروفیسر سید ضامن علی صاحب ضامنؔ ایم-اے۔ صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی)

یہ نالے بیکار سب ہیں اے دل خبر تجھے بے خبر نہیں ہے
کہ جسقدر ضبط میں اثر ہے فغاں میں اتنا اثر نہیں ہے

وہی خبر تیری جانتا ہے جسے کچھ اپنی خبر نہیں ہے
نہیں تو کہنے کے واسطے تو کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے

یقین کیونکر تمہیں دلائیں دکھانے کی شے ہو تو دکھائیں
کہ ایک چلتا ہوا ہے جادو نظر تمہاری نظر نہیں ہے
جو میں نے دیکھا سناؤں کیونکر بیاں کروں تو دکھاؤں کیونکر
نظر میں نطقِ زباں نہیں ہے زباں میں ذوقِ نظر نہیں ہے
بسے ہوئے ہیں ہر ایک دل میں سمائے ہیں وہ ہر اک نظر میں
اور اس پہ کہتے ہیں شوخیوں سے کسی جگہ میرا گھر نہیں ہے
شہیدِ راہِ وفا کا مرنا فنا کی منزل سے ہے گذرنا
جو مر کے زندہ رہیں ابد تک تو ایسے مرنے کا ڈر نہیں ہے
ہے عقل ناواقفِ حقیقت اسیر ہے شوقِ بیخودی کا
میں راہِ عرفاں میں اس جگہ ہوں جہاں کوئی راہبر نہیں ہے
وفا کے بندوں پہ ہے یہ روشن، نیاز کی حد نہیں معین
جو تیرے نقشِ قدم سے اُٹھے وہ سر حقیقت میں سر نہیں ہے
(جناب ابو العلا مولانا ناطق لکھنوی)
یہ دل نہیں نور کا ہے شعلہ کسی کو اس سے مفر نہیں ہے
مثالِ برق و شرر ہے لیکن مزاجِ برق و شرر نہیں ہے
حجاب سے اک مشاہدہ بھی وہ روبرو ہے مگر نہیں ہے
نقاب ہے ایک اس کے رُخ کی نظر ہماری نظر نہیں ہے
وہ نیچی نظریں تھیں دل کی طالب وفا نے گو جان نذر کر دی
مگر اثر جو سوال میں تھا جواب میں وہ اثر نہیں ہے
ہے روکشِ آفتاب ذرہ بغیر پردہ بلا وسیلہ
وہاں لڑائی ہے آنکھ دل نے جہاں مجالِ نظر نہیں ہے
یہ نصیبہ اکبر با حقیقت خاص یا تقیب ہو سب وہ تکمیل و جذب و دل میں

غرضکہ جو راز تھے ہمارے ہیں اب ان کی خبر نہیں ہے
اذاں ہو ناقوس یا جرس ہو مؤثر اپنی جگہ پہ سب ہیں
مگر جہاں میں پہونچ گیا ہوں وہاں کسی کا اثر نہیں ہے
جو دیکھنے والے دیکھتے ہیں وہ سننے والوں سے کیا بتائیں
نظر کو ذوقِ زباں نہیں ہے زباں کو ذوقِ نظر نہیں ہے
فروغ حسن اپنی روشنی میں ترقی عشق دیکھ لے گا
سلامتی اُن کے آئینہ کی ضرورتِ نامہ بر نہیں ہے
ہے دل پہ احسانِ حسن جتنا ادا ہوا شکر بھی نہ اتنا
جفا کا حق مجھ پہ جس قدر ہے وفا مری اُسقدر نہیں ہے
حرم سے نکلے تلاش بت میں بتوں سے یادِ خدا پہ بگڑی
غرض ہم آوارۂ وفا ہیں کہیں ہمارا گذر نہیں ہے
سخن مرا کیفِ دل ہی ناطق وہی کرے قدر جو ہو عاشق
نہیں ہے یہ فلسفہ کتابی یہ اکتسابی ہنر نہیں ہے

اردوئے معلی دہلی

نمبر	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء	جلد ۱

ماہ جون کے اردوئے معلی میں حادثہ ارتحال اہلیہ مرحومہ کے سبب رسالہ وقت پر شائع نہ ہونے کے معذرت کا اظہار کیا ہی گیا تھا کہ ۵ار جولائی کو حافظ ابوبکر صاحب سے ہمیشہ کے لئے مفارقت ہوگئی پے بہ پے حادثات کے رونما ہونے سے جولائی کا پرچہ بھی تاخیر اور اختصار کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔

اگر حیات مستعار باقی رہی تو اگست یا ستمبر کے اردوئے معلی میں ساری کمی پوری کر دی جائے گی۔

خریداروں کو اردوئے معلی کی توسیع اشاعت میں سعی بلیغ فرمانی چاہیئے۔ اسوقت تعداد اشاعت نہایت مایوس کن ہے کوئی رسالہ یا اخبار ملکی امداد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اردوئے معلی کے لئے ایسے مضامین کی ضرورت جو سلاست زبان کے ساتھ ساتھ ادب۔ اخلاق یا بہترین خیالات کے افسانوں سے معمور ہوں۔

رسول کریمؐ کی رضاعت
کائنات کا سرتاج آغوش حلیمہ میں

(از حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی)

جاہلیت کا عرب روشنی کے ہندوستان سے بدرجہا بہتر تھا بچوں کی تعلیم و تربیت ان کی نگاہوں میں نہایت ضروری تھی غلط محبت اور اندھی ممتا اولاد کے مستقبل میں حارج نہ ہوتی تھی ماں باپ بچوں کی زندگی کو برباد کرکے اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہ کرتے تھے۔ جس طرح زبان کی فصاحت و بلاغت کے جھنڈے خاص خاص خاندانوں میں گڑے ہوئے تھے اسی طرح ان کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ گاؤں کی صاف اور تازہ ہوا شہر کی گندگی اور خراب ہوا سے بہتر اور بچوں کی نشو و نما کھلے ہوئے میدانوں میں گلی اور کوچوں سے اچھی ہوتی ہے اسی واسطے یہ دستور عام ہوگیا تھا کہ قریش اپنے لڑکے آس پاس کے گاؤں میں بھیجدیا کرتے تھے۔ دودھ پلانیوالی انائیں ہر چھٹے مہینے اسی مقصد سے مکہ آتی تھیں اور ماں باپ سے گفتگو اور معاملہ کرکے بچوں کو اپنی ذمہ داری پر ہمراہ لیجاتی تھیں اور ان کی طلبی پر زیادہ دن ہوجاتے تو خود ملانے لاتیں اور لیجاتیں اور یہ سلسلہ کم از کم جب تک بچہ دودھ پیتا رہتا برابر جاری رہتا اور خاص خاص حالات میں اسکے بعد بھی پانچ چھ برس کی عمر تک۔

سرکار دو عالم عروس عبداللہ یعنی اپنی ماں آمنہ کا دودھ پی رہے تھے کہ انائیں بچے لینے آئیں۔

قدرت کے ڈالے ہوئے خاموش پردے جنھوں نے مستقبل کو نگاہ انسانی سے پوشیدہ رکھا ہے آنکھوں کی اندھی اناؤں کے چہروں پر پڑے ہوئے تھے یہ لالچ کی بندیاں اور دولت کی دلدادہ اصلی گوہر کی آب و تاب نہ پہچان سکیں اور غریب یتیم سمجھ کر ورثہ والوں اور دولتمندوں پر گریں۔ عبدالمطلب اور آمنہ دونوں منہ تکتے

رہے مگر کسی نے ادہر کا رخ نہ کیا۔

حلیمہ سعدیہ جس کو اس دولت سے مالا مال ہونا تھا اور جس کی خدمات تاریخ اسلام میں ابدالاباد تک چمکیں اور دمکیں گی محبت کے قدموں سے آگے بڑہی خلوص کی پیشانی عبداللہ کی چوکھٹ پر جھکا دی وارابن یوسف کی زمین کو بوسہ دیکر عبدالمطلب سے کہا:-

"مطلب بھائی! اپنے کلیجہ کا ٹکڑا اور دودھ پلانے کی خدمت سپرد کرو میں تمہارے لال کو سر آنکھوں پر رکھوں گی"

عبدالمطلب حلیمہ کو لیکر بہو کے پاس آئے اور دنیا کی بہترین ہستی اور کائنات کا کامل انسان اس کے حوالہ کیا۔ حلیمہ کا جذبہ محبت یتیم عبداللہ کے سامنے سجدہ میں گرا اور گرانقدر خدمات کی خواہشیں معصومیت کے اس ڈھیر پر قربان ہوئیں اور راب شجر اسلام کا بے مثل ثمر اور باغیچہ عرب کا بے نظیر پھول سعدیہ کی آغوش میں کھیل رہا تھا۔

حلیمہ! خوشا نصیب قربان تیری تقدیر کے نثار تیرے خدمات اور ان جذبات کے جو تیرے دل میں اور اس دل کے جو تیرے پہلو میں اور اس شئے کے جو تیری آغوش میں اور اس لال کے جو تیری گود میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہے تیری آنکھیں بینا تھیں کہ حقیقت کی کسوٹی پر بن باپ کے بچہ کو پرکھا اور پتہ لگا لیا کہ آسمان ایمان کے اس چاند کی روشنی ایک عالم کو دمکائے گی۔ انصاف کے چشمے ان قدموں سے پھوٹیں گے، عرب اس پر فخر اور قریش اس پر ناز کریں گے۔

کیسا نازک اور کتنا دردانگیز وقت ہے آمنہ بی بی اپنے بچہ کو مضطرب دل اور روتی ہوئی آنکھوں سے دواع کر رہی ہیں، مطلب کی پرنم آنکھیں اور خاموش نگاہیں در یتیم کو رخصت کرنے آگے بڑھیں بی بی آمنہ نے رخسار کو عبدالمطلب نے پیشانی کو بوسہ دیا ابولہب کی لونڈی ثوبیہ جس کو دودھ پلانے کی عزت حاصل ہو چکی تھی سامنے آئی کھڑی دیکھتی رہی اور شہسوار عرب کی سواری حلیمہ کی گود میں مکہ سے روانہ ہوئی۔

کس قدر خوش نصیب تہا ہوازن کا قبیلہ ان کا محلہ اور گھر جہاں خدا کی یہ نعمت برکت بنکر نازل ہوئی۔ حلیمہ کی بچی شیمہ نے اس جوہر کی منزلت پہچانی دل کی آنکھیں محبت کے نشہ میں جہومتی ہوئی اٹھیں سینہ سے چمٹایا گلے سے لگایا اور دونوں ماں بیٹیاں اپ دیوانہ وار آمنہ کی امانت پر نثار ہوئی تہیں آنکھیں گہاتی تہیں ؎

حلیمہ سعدیہ اس لال کی ایسی ہوئی شیدا
کہ اب اسکے سوا اس کو دکھائی کچھہ نہ دیتا تھا

اگر دل شاد تہا اس سے تو گھر آباد تہا اس سے
بصارت تھا وہ آنکھوں کی کلیجہ کی وہ ٹھنڈک تھا

کھلاتی تہی پلاتی تہی ہنساتی تہی سلاتی تہی
بچہونا قلب تہا اس کا تو آنکھیں اس کی ہنگورا

نثار ہوتی تہی چہرہ پر فدا ہوتی تہی صورت پر
کبھی قربان پاؤں پر کبھی ہاتھوں پہ پروانہ

بلائیں چاند سے مکھڑے کی لیکر پیار کرتی تہی
نہ تہی کچھہ فکر پینے کی نہ تہا کچھہ ہوش کھانے کا

گلے سے خوب چمٹا کر سلاتی، لوریاں دیتی
یہ کہتی سو مرے بالے مرے تو لعل سوجا

اجالا میرے گھر کا ہے میرا بھولا میرا بالا
مرے اس گھر کا گھر والا مرے لخت جگر سو جا

جوانی کھیلتی آئی تو ... یا ... لتی آئی
او بیاسے آنکھ ... آئی مرے ... دیا

امانت آمنہ کی ہے تو خدمت ہے حلیمہ کی۔
رہتوں میں سرخرو ہو نام سے خوشیوں کے گھر ہو جا۔

معصومیت کا خوشنما طائر اپنے خوشنما پروں سے شباب کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا اور وقت کی مہمیں جنبش اپنی پوری رفتار سے انتہائی ...... ریگستان عرب کے بگولے اور آندھیاں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بی بی آمنہ کے لال کو دائی حلیمہ کی گود میں دو سال سے زیادہ گزر گئے اور وہ ذات جو کیفیت عالم کو متغیر کرنے کے لئے پیدا ہوئی تھی کھٹنوں چلنے لگی نازک ہاتھوں سے اشارے ہوتے اور مبارک منہ سے پھول جھڑتے حلیمہ اور حلیمہ کی ..... ان اشاروں سے اپنا دامن اور ان پھولوں سے اپنی گود بھر رہی تھیں آفتاب ماہتاب سینکڑوں مرتبہ طلوع اور غروب ہوئے اور گھٹے اور بڑھے ہوا نے موسم بدلے درختوں نے ہیئت بدلی اور عربستان کی سرزمین پر وہ دن آیا کہ زمین کی آنکھیں یتیم عبداللہ کی انگشت شہادت حلیمہ سعدیہ کے ہاتھ میں دیکھیں ؎

زمیں تیرے قدموں سے آنکھیں ملے	خوشا گود جس گود میں تو پلے
حلیمہ قدم تیرے سر پہ رکھے	خوشا اس کی قسمت مقدر ز ہے
یہ دل تیری معصومیت پر فدا	ترے رخ پہ قربان صل علیٰ
مبارک سلامت کی ہے دھوم دھام	شب عیش کی آن پہنچی ہے شام

قدرت کی بلند نگاہیں مخلوق کے اعمال کو دیکھ دیکھ کر رہی تھیں اعمال کی جزا و سزا کا قانون جس کا زندگی میں بھگتنا حیات انسانی کے واسطے لازم ہے ..... ساری تھا مکہ کی بت پرستی اور مکہ والوں کی بداعمالی روز بروز لحظہ بہ لحظہ ترقی کر رہی تھی اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شرم و حیا کے گوہر آبدار خاک میں ملکر قریش کے مردوں اور عورتوں نے بے حیائی کے ایسے ڈھنگ دکھانے

شروع کر دئے تھے کہ عالم بالا کی کائنات منہ ڈھانک رہی تھی بالآخر خدا کا قہر وبا کی صورت میں نازل ہوا اور کڑیل جوان دیکھتے ہی دیکھتے قبروں میں پہنچنے لگے گھر کے گھر صاف ہوئے اور حالت یہ ہو گئی کہ موت کے نظارہ سے مکہ کی زمین سر پر اٹھالی۔

ادہر یہ ہو رہا تھا اُدہر حلیمہ سعدیہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بی بی آمنہ کے چاند کو ماں سے بچھڑے اور دادا سے چھوٹے دو سال کے قریب ہو گئے دودھ پلانے کا زمانہ ختم ہوا۔ میں اپنی خدمات پوری کر چکی اور جس لال کو اتنے روز سے کلیجہ سے لگائے رہی اب جدا کروں اور عبدالمطلب کی امانت جن آنکھوں سے لی تھی ان ہی آنکھوں سے واپس کر دوں اتنا سوچتے ہی حلیمہ کے دل پر چوٹ سی لگی اندیشۂ فراق درد بنکر دل میں اُٹھا آنکھ سے آنسو نکل پڑے مگر ایمان کی روشنی نے قلب مجروح پر مرہم رکھا انصاف نے تسکین دی اور آمنہ کی ماتا صبر کی صورت میں سامنے آکھڑی ہوئی سرکار دوجہاں کو ساتھ لیکر مکہ روانہ ہوئی۔

منزل مقصود پانچ فرسنگ تھی دوپہر کے آفتاب کی تیز کرنیں حلیمہ کے اونٹ کا جائزہ لینے آگے بڑھیں ہوا گرم ہوئی اور لو تیز۔ دائی حلیمہ گنجان درختوں میں اتر پڑی گرم ہواؤں نے تھپکا اور زیتون و کھجور کے پتے موسیقی میں مصروف ہوکر لوریاں دینے لگے حلیمہ پر نیند غالب ہوئی اور کائنات کی وہ بے مثل نعمت جو ایک معصوم کی صورت میں سپرد تھی کھیلتی مالتی آگے بڑھ گئی حلیمہ بے خبر پڑی سوتی تھی اور عبداللہ کا یتیم بچہ قدرت کے تماشے دیکھ رہا تھا دھوپ اس کے پلوٹھی رفتار کے ساتھ گردش کر رہی تھی اور درختوں کا سایہ اس ننھے سے قد پر نثار تھا بچپن نے بے فکری کا خلعت گراں بہا زیب تن کر دیا اور پرواز معصومیت آمنہ کے لال کو اپنی گود میں لئے چاروں طرف اڑنے لگی موسم کی گرمی نے حلیمہ کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور اس امانت سے بے خبر ہو گئی جس کے

ساتھ بجان لڑی ہوئی تھی درختوں کا سایہ معصومیت کے اس ڈھیر کو جو بچہ کی صورت میں مناظر قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہیں کا کہیں لے گیا زمین نے شوق کی آنکھیں بچھائیں اور خاموش پتے! چلنے کو دست استقبال معصوم کو آگے بڑھے ہوا کے جھونکے دست بستہ سامنے آئے اور ادب سے اپنا راگ شروع کر دیا حلیمہ کے نازک ہاتھوں کے بدلے آفتاب کی تیز شعاعیں لوریاں دے رہی تھیں نیند غالب ہوئی اور ماں کی آغوش سے بچھڑا ہوا بچہ دائی سے دور نرم نرم پتوں پر لیٹ گیا۔

خوش نصیب تھے وہ پتے جن کے خاموش منہ اس جسم کو بوسے دے رہے تھے جس کی نزاکت گلاب و یاسمن کو شرما رہی تھی سنسان ویرانے نے کائنات ارضی کی بے مثل پیداوار کو اپنے سینہ سے لگایا۔ جنگل محافظ بنا اور آمنہ کا لال قانون قدرت کے تحت میں دنیا سے بے خبر ہو گیا۔

تند و تیز ہوا کے ایک گرم جھونکے نے حلیمہ کو جھنجھوڑا اٹھی ادھر ادھر نظر دوڑائی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر عبداللہ کی امانت نظر نہ آئی۔ ہوش اڑ گئے چاروں طرف دوڑتی پھری آوازیں دیں چیخی چلائی۔ تڑپی بلبلائی ناامیدی کی بجلی نے کلیجہ خاک سیاہ کر دیا دودھ کا جوش دل میں کچوکے دے رہا تھا۔ بلند آوازوں سے صدائیں لگاتی تھی خاموش آنکھوں سے گنجان درختوں میں گھورتی تھی اور چپ چپاتے ہاتھوں سے جھنڈوں کو ٹٹولتی تھی کہ شاید چھپی ہوئی آواز اور بچھڑی ہوئی صورت کانوں اور آنکھوں کو منور کر دے ڈاڑھیں مار مار کر روئی اور چیخ چیخ کر جنگل سر پر اٹھا لیا آفتاب سے خطاب کیا اور درختوں سے باتیں کیں [illegible] دیوانہ وار [illegible] آوازیں دے دے کر دوڑنے لگی آفتاب اس دیوانگی پر ہنسا زمین اس عقلمندی پر

مسکراتی ہوا نے قہقہے لگائے، دھوپ نے ٹھٹھے مارے مگر اس کی کیفیت میں
تغیر اور حالت میں فرق نہ ہوا۔ کلیجہ میں گھونسے مارتی تھی، درختوں کو چمٹتی تھی۔ دھوپ
کی خوشامدیں، ہوا کی منتیں، جانوروں کی التجا، ہر تدبیر بیکار اور ہر کوشش بے سود تھی،
شکستہ دل کی صدائیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی وحشت خیز جنگل میں رس گئیں اور
محمد محمد کے نعروں سے جنگل گونج اٹھا۔ بلبلاتی تھی اور پکارتی تھی، روتی تھی اور کہتی تھی
کہ جنگل کے رہنے اور بسنے والو، جانورو اور بے جانو، غریب الوطن حلیمہ کا
معصوم بچہ تمہارا مہمان تھا۔ تم نے دغا کی اور میرے کلیجہ کا ٹکڑا مجھ سے چھین لیا۔ میری
آنکھیں پھوٹ رہی ہیں، میرا دل رو رہا ہے، میری جان نکل رہی ہے اور میرا خون
خشک ہو رہا ہے۔ مجھ پر رحم کرو، انصاف کرو، کرم کرو، مجھ مردے کو جلا دو اور
میرا بچھڑا ہوا لال میرے تہہ سے چھٹوا دو۔ مکار درختو، دغاباز پیڑو، خدا کا واسطہ
اپنے معبود کا صدقہ، ایمان سے کام لو اور میری فریاد سنو۔ ریت کے ذرو اور
آفتاب کی شعاعو، پتہ بتاؤ میرے لال کا۔ درخت کے پتو اور جنگل کے تنکو
نشان دو میرے معصوم کا۔ اس کی بھولی بھولی صورت میرا کلیجہ مسل رہی ہے، اس کی
پیاری پیاری باتیں میرے دل کے ٹکڑے اڑا رہی ہیں۔ ہوا کے ظالم جھونکو
تم درد محبت سے ناآشنا، چمکتے ہوئے سورج کی تیز کرنو تم مامتا سے ناواقف
ہو۔ زمین پر منہ رکھے خاموشی سے چرنے والی بھیڑ تیرے بچے جئیں، تیرے پھلرودا
سے لال رہیں اور بڑھیں، میری مدد کرو۔ دکھیاری ہوں، مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹ
پڑا۔ زندگی وبال ہو گئی۔ میرے گھونگر والے بالوں والا، میرا مینا سی باتیں ملکانی
والا جس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے، جس کے ہونٹوں سے خوشبو آتی تھی
مجھ سے بچھڑ گیا۔ مامتا والی بکریو آؤ، میرے بچے کو تلاش کرو۔ بچوں والی اونٹنیو
چرنا چھوڑ دو، اٹھو اور میرا لال ڈھونڈو۔

بلبلاتی ہوئی ہر سمت دوڑی مگر محروم آنکھیں اس جمال سے مشرف نہ ہوئیں اور وہ آواز جس کو دل ڈھونڈ رہا تھا کان میں نہ آئی مایوس نظریں تھک کر گریں اور نا امید دل ڈھونڈ کر ہارا خیال آیا کہ آمنہ کے سامنے کس منہ سے اور عبداللہ کے روبرو کس دل سے جاؤں اور کہوں کہ تیرا لال کھویا گیا۔ اطلاع دوں کہ تیرا بچہ گنوا آئی روتی ہوئی چلی اور تڑپتی ہوئی بڑھی رستہ بھر کلیجہ پر گھونسے لگاتی اور درختوں سے ٹکریں مارتی عبداللہ کے گھر پر پہنچی۔

بے خبر ماں دنیا کے مشاغل میں بیٹھی تھی کہ گریہ وزاری کی آواز کان میں آئی۔ سامنے دیکھا تو حلیمہ دروازہ پر کھڑی رو پیٹ رہی ہے ما متا نے ہوش اُڑا دئے اور بچہ کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی بے ساختہ چلا اٹھی ؎

میرا بچہ تو ہے اچھا؟ تو کیوں روتی ہوئی آئی
یہ کیا حالت ہوئی تیری بتا تو ٹھیر ری دائی

میرا لعل کہاں چھوڑا ہوئی ہے گود کیوں خالی
بتا جلدی سُنا جلدی خبر ہے ساتھ کیا لائی

ہزاروں وہم ہوتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے
قیامت ہے ترا رونا غضب ہے تیری تنہائی

پریشاں یہ تری صورت کسی صدمہ کی شاہد ہے
خبر کچھ اور دیتی ہے یہ تیری شکل مرجھائی

ترے کملائے ہونٹوں میں کوئی آفت ہے پوشیدہ
حلیمہ ہے نشاں رنج رنگت تیری سنولائی

تو ہنستی بولتی رخصت ہوئی بچہ مرا لیکر
ہوئی واپس تو اب ہے اس طرح سے شکل کملائی

حلیمہ تیرے صدقے ہاں شکل بچہ کی دکھا مجھکو
پڑی ہے تجھ پہ کیا بپتا ارے کچھ تو بتا مجھ کو

بی بی آمنہ کے اضطراب نے حلیمہ کی حالت اور ردی کردی بلبلاتی ہوئی آگے بڑھی اور رو کر کہا جنگل کے درختوں نے زیتوں کے پتوں نے گھاس کی تنور نے تیرا بچہ مجھ سے چھینا۔ چپہ چپہ ڈھونڈا۔ کونہ کونہ دیکھا اور گوشہ گوشہ چھان مارا۔ آسمان نے دغا کی زمین نے دھوکہ دیا اور جنگل نے آنکھیں بدلیں۔ اچھا بھلا جیتا جاگتا کھیلتا مانتا چھوڑ کر لیٹی ہائے ہوا کے جھوکوں نے مجھ سے دشمنی کی امر

نیند کا پردہ میری آنکھوں پر ڈالدیا ہوشیار ہوئی تو تیرا چاند میری آنکھوں سے جدا تھا کیا کہوں کس منہ سے کہوں اور کس دل سے بتاؤں کہ کیا ہوا کیونکر ہوا اور کس طرح ہوا۔ آمنہ گنہگار ہوں مجرم ہوں جو چاہے سمجھ اور جو سمجھ میں آئے کہہ گردن تیرے خوف سے اونچی نہیں ہوتی اور زبان ندامت سے اٹھتی نہیں آمنہ تیرا لال کھو گیا۔

ماں ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری "ہائے میرا بچہ" اور ہوئی آواز ہوا میں گونجتی ہوئی باہر پہنچی مطلب گھبراکر اندر آئے کیفیت دیکھی اور حقیقت سنی حلیمہ کو ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچے آفتاب کی آنکھیں ٹمٹما رہی تھیں لوکے جھکڑ کمزور ہو چکے تھے مگر زمین سنگلاخ اب تک شعلے اگل رہی تھی مطلب کی نگاہیں چاروں طرف ڈھونڈتی ہوئی گنجان درختوں میں کیا دیکھتی ہیں کہ آسمان عرب کا دمکتا ہوا تارہ درچمکتا ہوا چاند پتوں میں جگمگا رہا ہے بآواز بلند کہا حلیمہ ادہر آ حلیمہ جھپٹی بچہ کو گود میں اٹھایا اور یہ مختصر سا قافلہ وطن روانہ ہوا۔

گھر پہنچے تو ماں مامتا کی ماری ماں دروازہ میں کھڑی آنسوؤں کی زار و قطار لڑیاں آنکھ سے جاری تھیں رات کا اندھیرا ہر سمت چھا رہا تھا جب آمنہ کے کانوں نے قدموں کی آہٹ سنی تو شفقت مادری حیا پر غالب آئی کہنے لگی حلیمہ میرا بچہ ملاؤ۔ عجیب لمحہ تھا آمنہ کا کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا اور کان جواب کے واسطے تڑپ رہے تھے مطلب خاموش تھے مگر مسرت چہرہ پر کھیل رہی تھی حلیمہ نے کہا۔

"اے آمنہ تیرا بچہ تجھکو مبارک ہو"

بے قراری اطمینان سے اور گریہ وزاری مسرت سے بدلی روتی ہوئی ماں کے محبت بھرے ہاتھ آگے بڑھے بچہ کو گود میں لیا اور خوشی کے آنسو آنکھ سے نکل آئے دفعتاً خیال آیا کہ موسم سخت اور ہوا خراب ہے وبا کا زور انتہا کو پہنچ گیا اور موت کا شور گھر گھر سے ملبند ہو رہا ہے رات آنکھوں میں کاٹی اور صبح ہی حلیمہ سے کہا

بچے کو اور چند روز کے واسطے لیجا بیماری کم اور درد باختم ہو جائے تو پہنچا دیجیو حلیمہ نے یہ گفتگو سن کر مطلب کی صورت دیکھی اور رو کر جواب دیا۔

بیوی! پال کی آگ پیٹ سے زیادہ ہوتی ہے میرا ہی دل جانتا ہے کہ اس دلہا کو کس طرح لائی ہوں۔ آمنہ اجدائی کا پتھر بڑی مشکل سے دل پر رکھا جاتی ہوں کہ یہ پھول سا مکھڑا ایک نہ ایک دن مجھ سے بچھڑنے والا ہے تیرا لال تجھے نصیب ہو میں تو خدمت کرنے اور پال دینے والی تھی میں نے دودھ پلایا خدا نے میری مدد کی اور آج میرا دولہا جو کل میری گود میں انگوٹھا چوس رہا تھا پاؤں چلنے کے قابل ہو گیا ہوں جس آگ کے شعلے کلیجہ بھون رہے ہیں دو چار روز میں دب جائیگی آنکھیں رو رو کر خاموش اور دل تڑپ تڑپ کر صحیح ہو جائے گا یہ جانتی ہوں کہ جب تک جان میں جان ہے محمدؐ کی یاد دل سے نہ جائیگی اس کی جدائی میں روؤں گی جب تک زندہ ہوں تڑپوں گی جب تک دم میں دم ہے مگر میرا کام ختم ہو چکا اور میں جو آگ دبا چکی اب اس کو کیوں کریدتے ہو میری بچی شیما نے جو تیرے سامنے کھڑی ہے تیرے بچہ کی جدائی پر کہرام مچایا مگر خدا صبر دیتا ہے مجھے تو اسی کی لالے تھے کہ جن آنکھوں سے قریش کا چاند لے گئی تھی ان ہی آنکھوں سے واپس کر دوں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے سرخرو کیا اور گود کا خدا ہی حافظ ہے مگر وہ لال چودہ سال میرے کلیجہ پر سویا اور سینہ پر لیٹا تجھے واپس کر رہی ہوں میں نے سوچا کہ ہم دونوں ماں بیٹیاں حلیمہ اور شیما جب دل بگڑے گا اور یاد ستائیگی تو آ کر صورت دیکھ لیں گے اب پھر لیجاؤں اس میں شک نہیں آنکھوں کو ٹھنڈک اور کلیجہ ٹھنڈا ہو گا لیکن جدائی کا وقت جو بھگت چکی ہوں وہ پھر آئیگا اور جو سماں کل سے اب تک دیکھ رہی ہوں دوبارہ دیکھنا پڑے گا بیوی آمنہ خدا تجھکو بچہ مبارک کرے مگر یاد رکھ یہ بچہ معمولی بچہ نہیں ہے آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں زبان اس کو الٹ نہیں سکتی حکم کی تعمیل کرتی ہوں لیجاتی ہوں

حلیمہ اور شیما دونوں ماں بیٹیاں آمنہ کے لال کو لیکر اونٹ پر سوار ہوئیں اور گھر پہنچیں دیا جو بی بی آمنہ کو دلا رہی تھی بالآخر ختم ہوئی اور آقائے نامدار کی عمر چھ سال ہی کی تھی کہ حلیمہ روتی دھوتی آمنہ کی امانت واپس کر گئی خوش نصیب تھی حلیمہ اس کی بیٹی شیما اور اس کا شوہر حارث جنہوں نے چھ سال تک خدمت کی سعادت حاصل کی اور قریشی شمع پر شب و روز پروانہ وار نثار ہوئے کیسے اچھے بھاگ تھے قبیلہ ہوازن کے جن کی گود میں فخر الموجودات نے وہ زبان سیکھی جس پر خود بھی فخر فرماتے تھے۔

ایڈیٹر کی اہلیہ مرحومہ کی تاریخ وفات کی نثر عبارت سے میرے دیرینہ کرم فرما محترمی مولوی محمد برکت شیر خان صاحب ادیب میرٹھی نے سن وفات نکالے ہیں اور نظم میں بسملؔ کی داستان الم کا اظہار ہے

ہو الغفور الرحیم

لوحۂ مزار بی شہزادی بیگم اہلیہ وجیہہ سید قربان علی

١٣٥١ھ

ایک مرنے سے تیرے زوجۂ من — ہو گئی کیسی خانہ بربادی
ہر طرف گھر میں ہو کا عالم ہے — رات دن تیری ماں ہے فریادی
چھوڑ کر یادگار اک دختر — اُٹھ گئی سر سے مشفقہ ہادی
زخم دل منہ سے بول اُٹھا بسملؔ — خاک میں سو رہی ہے شہزادی

١٣٥١ھ

یہ مزار جدید قبرستان اہل اسلام بیرون دہلی دروازہ بلاک ۲ حصہ ۲ لین نمبر ۴۳ کے سرے پر ہے۔

جذبات جوش

(حضرت جوش ملیح آبادی)

ترے سنگ در نے بدل دیا ہے یہ پستیوں کو فراز میں
کہ ہزاروں عرش جھلک رہے ہیں مری جبین نیاز میں

مرے دل کو کفر بہا ہی لے مجھے خوف اس سے نہیں ذرا
کہ ہزار مرتبہ بجھ کے بھی یہ جلیگا طاق حجاز میں

جو کبھی میں انکو عیاں کروں تو فلک سجود میں گر پڑے
وہ بلندیاں جو چھپی ہوئی ہیں شکستگی نیاز میں

مجھے اضطراب ہی یہ راس ہے میں سکوں لیکے کرونگا کیا
ترے رخ کا شعلہ ہے مرتعش مرے دل کی خلوت راز میں

یہ ترے غرور کو کیا خبر کہ ازل کے روز سے دخل ہے
مرے عشق سادہ مزاج کو ترے حسن عشوہ طراز میں

مری خاکساریاں دیکھکر مرے دل کو تو نے عطا کئے
جو تھے آفتاب چھپے ہوئے تری چشم ذرہ نواز میں

یہ ستارۂ سحری کی ضو ہے افق کی سرخ بساط پر
کہ دل نیاز دھڑک رہا ہے کسی کے پہلوئے ناز میں

چمک اے حقیقت داستاں مجھے تازہ سانچے میں ڈھالدے
میں وہ شمع ہوں جو پگھل چکی ہے تمام بزم مجاز میں

جو بہار عشق ہو دیکھنا کبھی غزنوی پہ نگاہ کر
کہ شمیم گلشن خسروی ہے نہاں کیے ایاز میں

جو صنم کدوں میں بیان کر [illegible] تھا جبہ [illegible] پڑ ہیں
وہ مزا ہے پچھلے پہر مزا [illegible] دل کو جوش نماز میں

اعمال قرآنی کی بیش بہا کتابیں یہ اُن نادر کتابوں کا سلسلہ ہے۔ جن میں سورہائے قرآنی کے اعمال اور اد و اشغال فضائل و خواص و اسرار جواب تک سینہ بسینہ چلے آتے تھے۔ نہایت خوبی سے شرح لکھے گئے ہیں۔ شائقین کو اس سے بہتر کتابیں نہیں مل سکتیں۔ ہمنے اس فیض عام کو عام کر دیا ہے اور بنظر رفاہ عام قیمت اتنی رکھی ہے۔ کہ ہر شخص بسہولت اہتمام حاصل کر سکتا ہے ملاحظہ ہو۔

سورہ فاتحہ کے مجرب اعمال۔ یعنی الحمد شریف کے اُن نایاب عملیات کا مجموعہ ہے۔ جو امام الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی مصنف فتوحات مکی علامہ سیوطی مصنف حرنیۃ الاسرار حضرت مقاتل رحمہم اللہ سے سینہ بسینہ چلے آتے تھے۔ اس میں ترقی رزق۔ صحت و تندرستی۔ مقہوری اعداجب تسخیر اور تمام مقاصد کے لئے مجرب المجرب اعمال درج ہیں۔ قیمت ۴؍

مجموعہ اعمال مجربہ قل ہو اللہ شریف۔ باموکل معہ طریقہ زکوۃ وغیرہ اور اعمال مجربہ اللہ الصمد معہ طریقہ زکوۃ وغیرہ کے اس کے علاوہ ترکیب صلاۃ التسبیح و نماز خضری شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ۔ قیمت چار آنے ۴؍

مجموعہ اعمال سورہ مزمل شریف۔ نو ترمیم معہ موکلات و طریقہ زکوۃ اسمیں نہایت مستند و مجرب عملیات محبت اور عداوت تسخیر وغیرہ درج ہیں۔ ان کے علاوہ کشایش رزق ترقی روزگار و عزت و حل مشکلات کے لئے اس سورہ شریف کو پڑھنے کے طریقے لکھے ہیں۔ آخر میں ضمیمہ ہے جس میں سورہ یوسف کی متعلق اعمال درج ہیں۔ قابل دید ہے۔ قیمت ۶؍

اعمال مجربہ آیۃ الکرسی۔ و آیہ کریمہ آیۃ الکرسی سے کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ واقف نہ ہو۔ اس کے پڑھنے کے طریقے اور زکاۃ اور خواص نہایت

شرح وبسط سے تحریر کئے ہیں۔اس کے ساتھ ہی نادر علی شریف کے بھی خواص اور اعمال درج کر دیئے ہیں۔آخر میں اسم اعظم کی تحقیق ہے۔کتاب کیا ہے گنجینہ عملیات ہے۔از تالیف لطیف جناب عبداللہ خان صاحب احمدی مجددی بال بچوں کے گھر میں اسکا ہونا ضروری ہے۔قیمت ۴ر

طریق دعوت واعمال سورہ والشمس ۔ یہ بینظیر کتاب ہے اسمیں سورہ والشمس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسکے عملیات اور نتیجے نہایت ہی آسان طریقے سے بتائے گئے ہیں۔ہر جیل علیہ السلام خادم سورہ شریف کی حاضرات کا طریقہ نقش خاتم کبیرہ صغیرہ وغیرہا اور اس کے متعلق اعمال درج کئے گئے ہیں۔جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رومی نظامی کی قابل قدر تصنیف ہے۔قیمت ۶ر

مفید الکونین ۔ درجہ حصول مقصد دارین اسمیں وضو سے لیکر نماز تک کی تمام سنتیں فرائض ونوافل کا بیان نہایت وضاحت سے کیا گیا ہے۔ساتھ ہی نماز جمعہ نماز عیدین نماز چاشت۔صلوٰۃ العاشقین صلوٰۃ العارفین صلوٰۃ المشاقین وغیرہ کا بیان درج ہے۔اسکے علاوہ ہر ماہ کے روزے چاروں خانوادوں کے اعمال مجرب نسخے مسان اور دیگر امراض اطفال لکھے ہیں بیش بہا ذخیرہ ہے۔قیمت ۹ر

دیدار مجتبیٰ عرف درود مصطفےٰ عاشقان رسول ضرور منگائیں۔زیارت رسول سے اگر آنکھیں منور کرنی ہوں۔تو یہ کتاب مطالعہ کیجئے دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔اس میں وہ درود مندرج ہیں۔جن سے حضور کی زیارت ہو جاتی ہے۔مصنف کا دعویٰ ہے۔کہ اگر باشرائط پڑھے اور زیارت نہو تو ایک اشرفی جرمانہ دونگا۔قیمت ۸ر

قصیدہ بُردہ - حضرت امام بوصیری رح کے قصیدہ کی مقبولیت عام سے کون واقف نہیں اگر آپ باری تعالےٰ کی رحمت کو حرکت میں لانا چاہتے ہیں تو اس قصیدہ کو پڑھا کیجئے اس کے ہر شعر عربی کا فارسی و اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے عجیب و غریب کتاب ہے - قیمت چھ آنے ۶/

الہارون - خلیفہ ہارون رشید کی مکمل سوانحعمری خاندان برامکہ کے عروج و نصب کا پورا فوٹو الف لیلے کے قصوں پر تنقید مصنفہ مولوی مصباح الدین احمد صاحب - قیمت ۱۲

سوانح عمری کلاں - حیات خواجہ یہ سوانح عمری حضرت خواجہ غریب نواز کی مکمل سوانحعمری ہے قیمت ۸/

تاریخ اجمیر شریف - بڑی سوانحعمری حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہ العزیز کے مفصل حالات و واقعات اور نقشہ جات وغیرہ ہیں قیمت ۸/

بہار معین - حالات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ قیمت

تاریخ کلیئر - مع بڑی سوانح عمری حضرت مولنا علی احمد صاحب صابر قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات اور نقشہ جات قیمت ۶/

فرید بابا رح - یعنی سراج العارفین زبدۃ السالکین حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی کے حالاتِ زندگی - مصور فطرت حضرت حسن نظامی کے قلم سے قیمت ۲/

محبوب الٰہی - یعنی حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے حالات زندگی مولف مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی قیمت

حالاتِ سرمد شہید - حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ... قیمت ۴/

ملنے کا پتہ - دفتر اردوئے معلی - دہلی

۴۸۶

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۵۵۹

اُردوئے معلّٰی

دِہلی

اُردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

جو

مُلک کے مشہور اہلِ قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہو کر

ہر انگریزی مہینے کی بیسویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر

قربان علی بسمل

نے

اپنے شاہجہانی پریس دہلی کٹرہ گوکل شاہ میں چھپوا کر شائع کیا

شذرات

اُردوئے معلیٰ کے جو خریدار اپنا منظوم کلام بھیجکر لکھتے ہیں کہ ہماری غزل ضرور درج کی جائے ورنہ ہم خریداری بند کردیں گے یا اس کی ترقی اشاعت میں حصّہ نہیں لیں گے اُن سے عرض کیا جاتا ہے کہ غزلیات کا انتخاب چند شاعروں کے مشورہ سے ہوتا ہی لہذا اس بارہ میں ہم کو معذور سمجھنا چاہیئے۔

اپریل ۱۹۲۲ء سے اُردوئے معلیٰ کے ساتھ کبیر داس کے سوانحعمری کے آٹھ صفحے ماہوار شائع ہوتے ہیں اسی وجہ سے رسالہ کے ہندسوں میں اختلاف ہے۔ گذشتہ اگست میں ہندسوں کی تعداد چالیس ۴۰ صفحوں تک تھی اور موجودہ اُردوئے معلیٰ میں ۴۱/۴۸ ہے۔ اسی طرح سوانح کے خاتمہ تک ہندسوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ناظرین کبیر جنم ساکھی کو اُردوئے معلیٰ کا ضمیمہ تصور کریں۔

۶۸۷

پیکرِ امکان کیوں دلگیر ہے

(مصور فطرت سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے قلم سے)

لامکاں نہیں مکان۔ مکان نہیں مکین۔ مکین نہیں کن کا بھید جس کو کون و یکون کہتے ہیں جس نے اپنا گلا قوت ایجاد کی چھری سے کٹوایا۔ اور پھر مخلوق کے آگے بڑھ کر انسان کہلایا۔ یہی پیکرِ امکان کائنات شادان و فرحاں میں اسیر پنجۂ دلگیری ہے۔ اسی کو وحدت نے فرصت کی شکل بنکر ستایا ہے۔ یہی کہتا ہے الٰہی پھر یہی کلیجہ منہ کو آیا ہے۔ چیونٹی رفیق زندگی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے۔ مکھی اپنے جوڑے کے ہمراہ اڑتی پھرتی ہے۔ بگلا دریا کے کنارے دوئی کی بہار سے سفید ہے۔ کوا گھر کی دیوار پر اپنے مونس کو لئے بیٹھا ہے۔ اور کالی رنگت پر فخریہ چہچہاتا ہے۔ ریل کے پہیے آہنی ہمجنس سے گلے ملکر چلتے ہیں پھول ایک دوسرے کو دیکھکر کھلتے ہیں۔ پانی کے قطرے کیسے ملے ہوئے ہیں۔ ہوا کے ذرے کس طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کی بلندی بھی ذرات کی باہمی ہم نشینی سے ہے۔ دریاؤں کی روانی پانی کے میل جول سے ہے چاند تاروں کو لیکر چمکنے آتا ہے۔ سورج شعاعوں کے حلقہ میں صبح اٹھاتا ہے۔

خود اپنے کو دیکھو جو خدا ہے۔ بر ہے، بحر میں ہے۔ اور پھر کیسے سب سے جدا ہے جسکی وحدت و یکتائی کی گھر گھر دھوم ہے۔ جو نہ مانے اس کے لئے خطاب احمق و شوم ہے۔ وہ بھی اکیلے پن سے اکتاتا تھا۔ دیکھنے دکھانے کی ہوس میں خاک کے پتلے بناتا تھا۔

آدمؑ کو خلیفہ کہا۔ دیکھا دکھایا۔ نوحؑ کو۔ ابراہیمؑ کو۔ موسیٰؑ کو۔ عیسیٰؑ کو۔ ان کے

زمانے میں محرمِ راز بنایا۔ ابراہیمؑ سے کہا میرا خلیل ہے۔ موسیٰؑ کو آگ کے
بہانے پاس بلایا۔ اور کہا تو کلیم ہے۔ کچھ اصرار تک آئی۔ لن ترانی کی شہنائی بولا۔
جوتیاں اتار دے اور سانپ سے کھیل۔ جی بہلاؤ اور فرعون سے لڑ۔ مٹی کی
مورت اپنے بنانے والے کی مہربانیاں دیکھ کر لڑائی۔ اور صورت دیکھنے کی
صدا لگائی۔ کہا کہ تو مجھے نہیں سکتا۔ اور پھر جلدی سے ناسوتی آنکھ کے سامنے
لاہوتی جلوہ نمودار کر دیا۔ تاب کہاں سے آتی۔ پتلا سینہ تھام کر رہ گیا۔
عیسیٰؑ کو اپنی روح کہکر پکارا۔ عالمِ تعین میں پھنسا کر مردے جلاتے پھر کہا
کہ تیرے بعد اس کی باری ہے۔ جو شعیب جناب کرو نگاری ہے۔ محمد نام محمود کام
محمد سرانجام۔ رفیقِ اعلیٰ۔ رفیقِ ظاہر و رفیقِ باطن۔ معراج میں بلایا۔ دو کمانوں
پاس سے بھی نزدیک تر فاصلہ پر ٹھہرایا۔ کچھ کہا کچھ دیکھا۔ کچھ دکھایا۔ اب تیرہ سو
پچیس برس سے خبر نہیں کیا کرتا ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ کس شغل میں مشغول ہے
مسرور ہے یا ملول ہے۔

کہ مجھے اس سے کیا وہ خوش ہو یا ناخوش۔ وہ تو عینِ ذات میں سرشار
ہے مشکل میں میرا آنا ہے۔ جو عالمِ امکان دوئی کی تصویر ہوں۔ وحدت کے
ہاتھوں ہجر و فراق میں اسیر ہوں۔ جب اس نے اپنی واحد خوشی کو اکیلا نہ رہنے
دیا۔ اور صفاتی شکلیں بھی بہلانے کو بنائیں۔ جب اس نے ہر موجود کو حسن کا جھنجنا
وجود دیا۔ جبکہ اس کی ہر بات کی رفاقت میں دی گئی۔ جبکہ اس کی قدرت
حیلہ و وسیلہ کی دست نگر نہیں تو میں کیوں اکیلا ہوں۔ میری دستگیری کا ختم کیوں
نہیں ہوتی۔ مجھ کو میرا دلدار کیوں نہیں ملتا۔ حجاز کتنی دور ہے۔ کھجوروں کے
باغ کتنے فاصلے پر ہیں۔ وہ مسافر کہاں ہے جناب سرورِ عالم شکستہ دلوں کو
کھجوروں کے تلے ملتے تھے یا ہمتوں سے پیٹ پر پتھر باندھے دلی کا [illegible] کے

پاس ہے۔ یہ زخم انہی کے نشتر سے چیرا گیا۔ وہی پٹی باندہیں گے۔ کوئی چارہ ساز ہو یا نہ ہو۔ کوئی دلنواز ہو یا نہ ہو۔ مدنی شام سمندر کی یاد کافی ہے۔ جبکہ اُسکی آس ہے تو پھر کیا سہارا ہے۔ میری آنکھوں کے خالی کٹورے آنسوؤں کی لبریزی مانگتے ہیں میرے سینے کے خالی بچھونے محمدی آرام جان چاہتے ہیں۔

مَیں نہیں۔ ایک اسیر دست بیداد فریاد کرنے کھڑا ہوا ہے۔ سب سہاروں کو قطع کرکے ایک سبز گنبد کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے۔ دیکھئے دل کی گرہ کون کھولنے آتا ہے۔ درد بھی اُس حکیم کے گھر جانے کے وقت ملا تھا علاج بھی وہیں ہوگا۔ فرقت بھی اِس کوچہ کی گردش میں پالے پڑی تھی۔ وصال بھی اِس گلی کی ٹھوکریں کھانے سے میسر آئے گا۔ اسیر ہوں۔ دلگیر ہوں۔ اُفتادہ پامال رنگھیر ہوں حیات کا مجاز ہوں۔ ممات کی حقیقت ہوں۔ حرکات کا عکس ہوں۔ بے اختیاری کا سایا ہوں۔ محمد محمدؐ تیرے دروازہ پر آیا ہوں۔ یا اُسکو بلا۔ یا تو مِل جا۔

"صدائے حق"

(جناب پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب حیدری۔ ایڈیٹر رسالہ تکبیر دہلی)

عنوانِ بالا کے تحت میں جو مضمون گذشتہ نمبر میں ہدیہ ناظرین ہو چکا ہے اس کے متعلق میرے وہ کرم فرما جنھوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اور میں اُن کی عالی نظری اور وسعتِ خیال کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یقیناً میری یہ مسرت لامتناہی ہوتی۔ اگر چند خود غرض۔ کوتاہ اندیش میری اس "جائز فریاد" کو "تعصب آمیز الزام" کے نام سے تعبیر کر کے میرے اُن محترم احباب اور بزرگوں کو بدظن نہ کر دیتے جنکی شخصیتیں ہر طرح میرے نزدیک واجب الاحترام ہیں۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میری ہر کوشش اُس "بدظنی" کو دور کرنے سے قاصر ہے جو اربابِ طریقت کی عنایتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ تحریر اُن تاثرات کو زائل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ محض اظہار صداقت کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا ضمیر [illegible]ال اوصاف ہے کہ میں ایماناً یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ جب میں نے مضمون کہا تھا تو کوئی خاص شخصیت میرے پیش نظر نہ تھی۔ [illegible] ہے میری تردید [illegible] اب واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ در حقیقت کسی خاص شخصیت میں وہ خامیاں موجود ہیں جن کا تذکرہ میرے [illegible] میں ہے اور اُن کا ضمیر میری "صدائے حق" کو برحق سمجھ کر انہیں اُن [illegible] کا مرتکب سمجھتا ہے تب بھی اُنہیں میرا ممنون ہونا چاہیئے کہ میں نے [illegible] خامیوں کو نادانستہ ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اپنے

ان افعال سے توبہ کرنی چاہیئے۔ برخلاف اسکے اگر اُن کا دامن اِن آلودگیوں سے پاک ہے (جیسا کہ بذاتِ خود میرا خیال ہے) تو انہیں محض چند ابن الوقت حضرات کی حاشیہ نوازی کو نفرت سے ٹھکرا دینا چاہیئے اور صاف کہدینا چاہیئے کہ "نہ ہم ایسے ہیں اور نہ ہمارے متعلق ایسے الفاظ لکھے جا سکتے ہیں نہ لکھے گئے ہیں"

کیا ہماری بدنصیبی کی اس سے زیادہ عزت ہو سکتی ہے کہ اب ہمیں اپنے جائز جذبات کے اظہار کی بھی اجازت نہیں۔ زمانہ ہمیں مٹائے جا رہا ہے۔ ہم مٹ رہے ہیں۔ مگر حکم ہوتا ہے "فریاد نہ کرو" محض اس لئے کہ ہماری فریاد کا اثر لوگوں کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی تکلیف دیتا ہے۔ اللہ اکبر ایک وہ وقت تھا کہ حضرت عمر جیسی برگزیدہ اور محترم ہستی کو ایک اعرابی مجمع عام میں یہ کھلا ٹوک دیتا ہے کہ "یہ کرتا جو تم پہنے ہوئے ہو اس کپڑے میں نہیں بن سکتا تھا جو تم کو مال غنیمت میں ملا تھا" اور آپ نہایت عجز و مسکینی سے اُسکے اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں "تم بجا کہتے ہو مگر میں نے اپنے فلاں بھائی سے اُس کا حصہ خرید لیا اور اپنا حصہ اُس کے ساتھ جوڑ کر یہ کرتا بنا لیا" یا آج یہ زمانہ ہے کہ ایک شخص نہایت ایمانداری اور خلوص سے اپنا خیال واقعاتِ حاضرہ پر ظاہر کرتا ہے اور اُسے مجرم بنایا جاتا ہے۔ کہ اُس نے بہت سے حضرات پر حملہ کیا

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

بامِ ترقی

اُردوئے معلےٰ کے ایک عزیز یورپین خریدار جناب بی۔ سی۔ کارن صاحب نے ذیل کا مضمون ارسال فرمایا ہے جو کسی انگریزی اخبار کا ترجمہ ہے ہم اُسکو شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

آپ نے سُنا ہوگا کہ چند آدمی گوری شنکر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گذشتہ ہفتہ میں یہ افسوسناک خبر آئی کہ دو انگریز اٹھائیس ہزار فٹ تک کی بلندی پر پہنچکر اپنے پاؤں کے پھسل جانے کی وجہ سے گرکر لاپتہ ہوگئے۔ گوری شنکر پہاڑ اور ایک آدمی کا مقابلہ کیجئے ایک انتیس ہزار فٹ سے زیادہ اونچا ہے۔ جس کی سر بفلک چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ دوسرا صرف چھ فٹ۔

پہاڑ برف سے چھپا ہوا ہے۔ اُس کے چاروں طرف ایسی چٹانیں ہیں جو ہوا میں لٹکی ہوئی ہیں۔ اگر انسان اُسپر چڑھنا چاہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور برف انسان کو شل[لہ] کردیتا ہے۔

اُن انگریزوں کی نسبت جن کا میں نے ذکر کیا ہے لکھا ہوا ہے کہ وہ گوری شنکر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ ایک شخص دوربین کے ذریعہ سے اُن کو چڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اُن لوگوں کو پہاڑ کی انتہا تک دیکھا۔ اگر غور کیجئے تو انسان اور پہاڑ میں بہت بڑا فرق ہے۔ پہاڑ کی بلندی اور وسعت کا اندازہ امکان سے باہر ہے۔ اور انسان ایک کمزور اور ناتوان ہستی ہے

لہ شل ہونا یعنی سونا۔ بے حس وحرکت ہوجانا۔

مگر خدا نے اُسے وہ عقل سلیم عطا کی ہے جس کی وجہ سے پہاڑ ایسی بلند اور وسیع چیز پر وہ حاوی ہے۔ نہ صرف پہاڑ بلکہ دُنیا کی تمام چیزوں پر حکومت کرتا ہے اور اُس کا ہر ہر قدم بام ترقی پر پڑتا ہے۔ ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ ۱۸۹۴ء میں وہ انسانِ ناتواں جس کے لئے پہاڑ کے درختوں کی جنبش اور ہوا کے برف بار جھونکے ایک پیامِ موت تھے۔ اب اپنی ہمت اور جرأت کی بدولت وہ مبارک دن دیکھ رہا ہے کہ وہ ایک برس میں ۲۱ ہزار فٹ اور دو سال کے بعد تئیس ہزار فٹ پھر پانچ سال کے مختصر زمانہ کے بعد ۲۵ ہزار فٹ اور تین سال کے بعد ۲۷ ہزار فٹ اور ۱ سال ۲۸ ہزار فٹ کی راہ دشوار اپنی ہمت مردانہ سے طے کرتا ہے۔ یعنی پہاڑ کی آخری حد تک پہنچکر دم لیسنا ہی۔ جیسا کہ اُن کے ساتھی نے بیان کیا ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ وہ مزید ترقی کی کوشش میں مصروف ہوں گے۔ آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کامیابی کے موتیوں سے اپنے دامن امید کو بھر لائیں گے۔ فقط۔

ایک دکھیا کی رام کہانی

(جناب منشی احمد الزماں صاحب عاجز عطائی پوری)

ساون کا مہینہ ۲ بجے رات کا وقت ہے آسمان پر چاروں طرف کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ بادل کی گرج بجلی کی چمک سے دل ہولا جاتا ہے۔ ابھی موسلا دھار پانی برس چکا ہے۔ اندھیاری ایسی کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا۔ کہ اتنے ہی میں درختوں کے پتے اور پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ اور یکایک پی کہاں پی کہاں کی دلکش و دل آویز صدائیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ ہماری پری چہرہ حور جمال باہوش رام دیوی جو ابھی بمشکل بستر غم پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر سوئی تھی چونک پڑی۔

آہ کیا دلکش صدا ہے۔ پی کہاں پی کہاں۔ اے ظالم پپیہے۔ اے تو پپیہے کیوں تو اپنی آواز سنا کر میرے زخم خوردہ دل پر نمک پاشی کرتا ہے۔ اے ظالم میرا دل تو یونہی نشتر غم سے پاش پاش ہو رہا ہے۔ اور تو دلکش صدا سے اس پر خنجر چلا دیتے۔ ارے بیری ابھی تو بستر غم پر [illegible] میری آنکھ لگی تھی کہ تیری دلکش دل آویز صدائیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ پی کہاں پی کہاں کیا اچھی صدا ہے۔ درحقیقت پی کے غم میں وہ شیرینی و حلاوت ہے کہ ایک [illegible] پی کہنے سے [illegible] ہوتی ہے۔

[illegible] از خود رفتہ ہوگئی اور ماہی بے آب کی طرح

تڑپنے لگی۔ وہ پھولوں کی سیج اُس گل اندام کے جسم پر کانٹوں کا کام دیتی تھی اُس کو کسی کروٹ کسی پہلو قرار نہ تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چھینٹے دے دے کر بیتاب کر رہے تھے، اِس وقت اسکی حالت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔ وہ ساون کی پچھلی رات وہ ہوا کے سرد سرد جھونکے۔ وہ اُسکی تنہائی وہ ارمانوں کا بار بار آکر دل میں چٹکیاں لینا۔ وہ ہجوم یاس۔ وہ طوفان الم۔ اُس کے دل پر اس وقت کیا گذرتی ہوگی۔ جب وہ اپنی دوامی تنہائی پر نظر کرتی ہوگی تو تمام اُمیدوں سارے ارمانوں پر چھری پھر جاتی ہوگی۔ جب رام دیوی کو اضطراب و بیقراری نے ذرا مہلت دی اور دل بے قرار ذرا ٹھیرا تو اُسے طرح طرح کے خیالات سے دوچار ہونا پڑا۔

اُسکے دل میں یہ خیالات موجزن ہوئے کہ اے رام دیوی تیرے باغ حسن میں جو بہار آئی ہوئی ہے اور ہزارہا گل اُمید کھل رہے ہیں مگر اے نادان یہاں گلچیں کہاں گلچیں تو نہنگ اجل کا لقمہ بن گیا۔ بھلا پھر یہ پھول کون چنے۔ یہ بہار حسن یہ عالم جوانی۔ یہ جوشش شباب سب بیکار ہے۔ افسوس کہ اس کا مالک اس کا حقدار اس کا نگراں تو ناپید ہو گیا۔ اور تیری بہار خزاں ہو گئی۔ اِس باغ حسن میں بہار آنے سے پہلے خزاں کا گذر ہو چکا تھا وہ اپنی حالت پر افسوس کرنے لگی۔ اور کہنے لگی اے پرمیشور اے پرماتما اے بھگوان۔ کیا میں پاپن کم نصیب۔ بدبخت اِس قابل ہوں کہ دُنیا کے عیش و آرام سے محروم ہو جاؤں۔ اے پرماتما بظاہر تو میں نے ایسا کوئی پاپ کیا نہیں۔ شاید اُس جنم میں مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہو جس کا بدلا یہاں ملا ہے۔ یا تو نے روز ازل ہی سے میری قسمت میں یہ لکھا تھا کہ عین عالم شباب میں میرا پتی سر سے اُٹھ جائے گا۔ اُف میں بدنصیب اب کونسا جتن کروں جو

میرا پتی مجھے ملے اُس نے عین عالم شباب ہی میں داغ مفارقت دیا۔ میرا کوئی ارمان کوئی حسرت کوئی اُمید نہ بر آئی۔ اے پرمیشور تو نے مجھ بے گناہ کی مصیبتوں کا بھی اندازہ کیا تھا کہ میرے دل پر کیا گذرے گی۔ آہ جو کچھ میرے دل پر گذرتی ہے وہ کس سے کہوں۔ نہ کوئی اپنا مونس ہے نہ ہمراز جس سے اپنے دل کا درد کہوں۔ گو میرے پاس دُنیا کی سب نعمتیں موجود ہیں۔ زر و جواہر زیور و کپڑے کے انبار لگے ہیں۔ مگر بے پتی کے یہ سب بیکار۔ میرے دل بیتاب کی ان سے کچھ تسکین نہیں ہوسکتی۔ یہ سب گھر بار لعل و گوہر زر و جواہر مال و منال میری آنکھوں میں خار ہیں۔ ماں باپ۔ بہن بھائی ساس سسر خویش و اقارب سب موجود ہیں۔ مگر میرے لئے کوئی فیض رساں نہیں۔ کوئی میرے درد دکھ۔ میری مصیبت کا شریک نہیں۔ یہ مکان جو جنت نشان ہے میرے لئے جہنم سے بدتر ہے۔ ہائے میں نصیبوں جلی۔ میں پاپن۔ میں برگشتہ قسمت میں بدبخت میں کم نصیب اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ میں دیکھوں اور میری ہجولیاں اپنے اپنے گھروں میں چہولا جہولیں۔ اور رنگ رلیاں کریں۔ اور میں بستر غم پر رنج والم کا مرثیہ پڑھوں۔ میری سکھیاں تو اپنے اپنے پتی کے ساتھ عیش و آرام میں زندگی بسر کریں اور میں بدبخت روز و شب ماہی بے آب کی طرح تڑپا کروں یہ میری بے کسی یہ میری تنہائی۔ جدھر کو نظر اُٹھاتی ہوں ایک بھیانک شکل آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ مجھے میرے گھر کی ہر چیز کھائے جاتی ہے لیکن کوئی اتنا بھی نہیں کہ میرے دل مضطر پر ذرا ہاتھ ہی رکھدے کہ کچھ تسکین خاطر ہو جائے۔ یہ کیا ہے یہ سب میری بدنصیبی کا باعث ہے۔ یہ کیا ہے یہ سب میری بدبختی کی شان ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اور کیا ہے۔ نہیں معلوم مجھے ابھی کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوگا۔ اور میرے سر پر کون کون سی بلائیں

نازل ہوں گی۔ اب مجھ میں اتنی تاب و طاقت بھی نہیں ہے کہ فراق کی مصیبتیں جھیلوں۔ میرا پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ چہرے پر نہ وہ رنگ و روغن ہے نہ وہ تراوت و ملاحت۔ اب مجھ میں بجز پوست و استخواں کے کیا رہا ہے۔ ہردم آہ و بکا نالہ و فریاد ہے اور میں ہوں۔ کیا مجھے جیتے جی اپنے پتی سے ملنے کی کوئی امید ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر میری روح اس قفس عنصری سے پرواز بھی کر جائے تب بھی شاید میں اپنے پتی سے نہ مل سکوں۔ مجھے تو زندگی میں یہ امر محال معلوم ہوتا ہے کہ مجھے پتی ملے۔

بھلا ہندو دھرم میں دوسرا پتی دینا کون شریف ہندو گوارا کرے گا۔ بھلا میرے پتی کے سوا کسی کا میرے باپ بھائی کو کیوں خیال ہونے لگا۔ میری مصیبت کا اُن کو کیوں احساس ہو گا۔ اُن کی غیرت کبھی گوارا نہ کرے گی جو وہ مجھے بخوشی دوسرا پتی دیکر میری مشکل آسان کریں۔ یہ تو غیر ممکن ہے۔ یہ پاپی۔ یہ ظالم۔ یہ سفاک بڑے ہی پاپی ہیں۔ بڑے ہتیارے ہیں۔ ان کے سر پر میرا خون ہوتا ہے اور ہو گا۔ انہیں نہ اپنی عزت و آبرو کا خیال ہے نہ دوسرے کی پرواہ۔ ہزاروں اخباروں رسالوں میں بدھوا بواہ کے متعلق لاکھوں مضامین شائع ہو چکے ہیں اور ہزاروں مہاتما رشی منی اُپدیشک اپدیش دے دیکر ہارے مگر انکے کان پر جوں نہ رینگی۔ زبان سے تو ہاں کر دیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ بڑی بڑی سبھاؤں میں بدھوا بواہ کا مسئلہ پیش ہو کر پاس ہو گیا مگر کبھی کسی نے عمل نہیں کیا۔ اور عمل کرتے تو کیونکر کرتے۔ وہ تو لکیر کے فقیر ہو رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہماری قوم کی آج دنیا میں اور کوئی قوم پاپی نہیں جس نے عورت ذات کی ایسی بُری گت کی ہو کہ وہ جانوروں سے بدتر ہو رہی ہیں۔ ان پاپیوں کو فقط اپنے عیش و آرام کا خیال رہتا ہے۔ دوسرے کی مصیبت کی کچھ پرواہ نہیں

کرتے۔ اور مرد جہاں عورت کے جسم سے جان نکلی فوراً دوسری عورت کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں اور دوسری استری گھر میں لاکر بٹھا لیتے ہیں۔ مگر عورتوں نے اس دہرم میں آکر گویا ایسا پاپ کیا ہے کہ وہ اس بات کی مستحق ہی نہیں کہ جب اُن کا پتی مرجائے تو دوسرا کر لیں۔ آہ ہماری قوم کے لوگوں کی کیسی مت ماری گئی ہے اُن کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں۔ اُن کی آنکھیں نشۂ کبر و نخوت سے اندھی ہو رہی ہیں کہ ان کو اتنا دکھائی نہیں دیتا کہ وہ بیکس بے زبان دیویاں کہ جن کے پتی عالم شباب ہی میں نذر اجل ہو جائیں وہ اپنی باقی عمر کس جبر و کس سہارے پر گذاریں۔ ہمیشہ ایسے ایسے واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں کہ جن کو انسان کی غیرت کبھی گوارا نہ کرے۔ مگر ہماری قوم ہے کہ ان باتوں کی پروا بھی نہیں کرتی۔ اُن کو تو دوسرا بر دینا غیرت کی بات ہے خواہ کچھ ہی ہو مگر یہ روا نہیں کرتے۔ تمام قوموں نے ہمیشہ ایک نیا رنگ بدلا ہے اور بدلتی رہتی ہیں۔ مگر ہماری قوم کا طریقہ نہ بدلا ہے نہ بدلے۔ دُنیا میں نئی روشنی کا ظہور ہوا چلن بدلے عادتیں بدلیں پوشاکیں بدلیں مگر ہماری قوم نے یہ مذموم طریقہ نہ چھوڑا۔ اس نئے فرقہ آریہ سماج نے اس مسئلہ میں جان توڑ کوشش کی مگر بیکار کیونکہ کہیں عملی جامہ نہ پہنایا گیا۔ اور یہ مذموم طریقہ نہ بدلنا تھا نہ بدلا۔ کاش پرماتما میرا جنم کسی اور ریت میں کرتا کہ یہ ذلت کی زندگی تو گذارنا نہ پڑتی۔

بار بار یہی جی میں آتا ہے کہ پردۂ ننگ و ناموس پھاڑ کر گھر سے نکل کھڑی ہوں مگر غیرت یہ کہتی ہے کہ دیکھ رام دیوی کہیں ایسا نہ کرنا کہ اپنے بڑوں کی ناک کٹا دے اور پھر بجز بدنامی و رسوائی کچھ ہاتھ نہ آئے۔ ضبط سے کام لے صبر کو اپنا شعار بنا دیکھ تو پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اور خدا سے دعا کر کہ وہ ہماری جاہل قوم کو راہ راست پر لائے۔ آمین۔

حضرت شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانی دہلوی قدس سرہٗ

کا مزار پُر انوار ترکمان دروازہ دہلی کے متصل ہے۔ اسی مزار کی بدولت ترکمان دروازہ نام رکھا گیا جو آج تک مشہور ہے۔

آپ کا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کا ایک زمانہ گذرا ہے۔ شاہ ترکمان علاقہ خیوہ سے تشریف لائے۔ اور شہر کے باہر مقیم ہوئے۔ اُس زمانہ میں موجودہ دہلی جنگل بیابان ہو کا میدان تھی۔

سلطان شمس الدین التمش نے ایک مرتبہ حضرت سے عرض کی آپ شہر میں تشریف لے چلیں کہ خدا کی مخلوق فیضیاب ہو۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کو منظور ہوگا تو یہی ویرانہ آباد ہو جائے گا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد فیروز شاہ نے آبادی کی بنیاد ڈالی۔ اور ایک مسجد تعمیر کرائی جو کلاں مسجد یا کالی مسجد کے نام سے اب بھی پکاری جاتی ہے۔

آپ کی وفات رضیہ سلطانہ بیگم کے عہد میں ہوئی جو سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تھی۔

ایک روز شاہ ترکمان حضرت قطب الاقطاب کے مہمان تھے اور ایک طباق میں دونوں بزرگ دلیہ نوش فرما رہے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مگس رانی میں مصروف تھے۔ شاہ ترکمان رح ایک لقمہ کھانے کے بعد بغل میں ہاتھ لیجا کر پھر دوسرا لقمہ نوش کرتے۔ حضرت بابا فرید کو یہ فعل ناگوار گذرا۔ قطب الاقطاب ہر لقمہ پر اشارے سے بابا صاحب کو منع فرما دیتے کہ اعتراض کا موقع نہیں۔ آخر بابا صاحب سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ کہہ دیا کہ کھانا کھاتے وقت بغل میں

تہذیب کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ تو شاہ صاحب سنکر خاموش ہو گئے۔ مگر جب بابا صاحب نے دوسری دفعہ یہ جملے کہے تو ترکمان صاحب کو جلال آگیا۔ آپ نہایت قوی ہیکل تھے بابا صاحب کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اپنا ہاتھ اونچا کر کے فرمایا دیکھو۔ سب نے دیکھا کہ زیر بغل پانی کا چشمہ جاری ہے۔ تب شاہ صاحب نے فرمایا کہ خواجہ کا ادب ملحوظ ہے لہذا ہر لقمہ پر ہاتھ دھوتا جاتا ہوں۔ سچ کہا ہے۔

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

(باقی)

بیان الامرا ترجمہ تاریخ الخلفاء

مؤلفہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ * مترجمہ مولانا مولوی حکیم شبیر احمد صاحب انصاری

الحمد للہ کہ جس کتاب کی طرف بہت سے حضرات کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور وہ اس کے مطالعہ کے بیحد مشتاق تھے چھپکر تیار ہو گئی ہے۔ اسکے مطالعہ سے تاریخ اسلام پر پورا عبور ہوجائیگا ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ خلافت کس طرح اور کس کس پر منتقل ہوتی رہی [illegible] خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر سنہ ۹۰۰ھ تک کے خلفاء [illegible]ات جمع کرتے ہیں یہ اسی تاریخ الخلفاء کا ترجمہ ہے جو عام طور پر داخل درس ہے یہ کتاب [illegible] صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ عمدہ۔ ایسی مفصل کتاب اردو تاریخ [illegible] ناپید تھی۔ یہ اسلامی اولوالعزمی کے ۹۰۰ سال ہر مسلمان کے مطالعہ سے گذرنے [illegible] تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ ان کے اسلاف کیا تھے۔ اور اب وہ کس درجہ [illegible] ذلت میں ہیں۔ **قیمت فی جلد دو روپے** علاوہ محصولڈاک۔

دفتر اردوئے معلےٰ دہلی سے طلب فرمائیے

لندن کی مس

(از حضرت اکبر مرحوم)

اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد — اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اسنے بگاڑی نسل قوم — کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصائل بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ — ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہو رہی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو — قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو — سوپ کاری کے مزے لوچھوڑ کر یخنی و آش
لیڈیوں سے مل کے دیکھو اُنکے انداز و طریق — ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُنسے تاش
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم — ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جب عمل اسپر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا — جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر — یاں جوانی کی اُمنگ اور اُن کو عاشق کی تلاش
اسکی چتون سحر آگیں اُس کی باتیں دلربا — چال اسکی فتنہ خیز اُسکی نگاہیں برق پاش
وہ فروغِ آتشِ رُخ جس کے آگے آفتاب — اسطرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا — دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا — دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال — حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

قند پارسی

حضرت عیاذ مولانا محمد اکرام اللہ صاحب صدیقی پانی پتی۔

کیست بلبل خوشنوا با من خوش آوازی کند — چیست پروانہ کہ با آن شمع جانبازی کند
کے بہ دربام عشق آن شوخ پرواز ہوس — شہپرہمت نہ مست شہباز پروازی کند
بے نوایم با وجود صد نوائے ہیچو نے — کیست با من جز نوائے کہ دمسازی کند
رازداری سے نہاں ماند چو عشق آید عیاں — ہمدریں رہ کیست جز آن شوخ ہمرازی کند
در لبت آب است حیوان وین لب من خشک تر — حیرتم اے دل کہ با من کیست انبازی کند
دل بزیر سایہ زلف تو می ماند مقیم — گرچہ با من چشم مستت شعبدہ بازی کند

ذرۂ خاکم بسر دارم ہوائے مہر او
چوں عیاذی کو بدل سودائے شیرازی کند

رباعیات مع سوانح حکیم عمر خیام بالتصویر

اس میں ۲۰۰ عمر خیام کی فارسی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں اردو نظم ترجمہ بطور رباعی درج ہو۔ گویا ۲۰۰ فارسی عمر خیام کی رباعیاں ہیں اور اسی قدر اردو رباعیاں جنکل ترجمہ موسومہ تاج الکلام درج ہیں۔ ۲۰ صفحے مع سوانحعمری عمر خیام اور شروع میں عمر خیام کا عکسی فوٹو اور سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تمہید ہے۔ الغرض پورے تین سو صفحات کا بے مثل مجموعہ ہے۔ قیمت مع محصول ڈاک ڈھائی روپے

ملنے کا پتہ
منشی قربان علی دفتر اردوئے معلے شاہجہانی پریس دہلی

عشق ہے

جناب پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب حیدری ایم۔ اے۔ ال۔ ایس ایڈیٹر تکبیر دہلی

ہر طرف جوشِ سحابِ عشق ہے — ہر طرف طوفانِ آبِ عشق ہے
میری کوشش کامیابِ عشق ہے — میری ہستی انتخابِ عشق ہے
الحمد اللہ سرخیِ خونِ جگر — زیبِ عنوانِ کتابِ عشق ہے
حسن کی عصمت بچانے کے لئے — ہے کوئی خانہ خرابِ عشق ہے
کھینچ لے آئی ہے جگر کے خون سے — کتنی پاکیزہ شرابِ عشق ہے
الامداد اے ہمتِ دل المدد — آرزو سے فتحِ بابِ عشق ہے
چھین لے سادہ دلیِ حسن حیف — بوالہوس بھی کامیابِ عشق ہے
غم کی تاریکی میں ہر داغِ جگر — آفتاب و ماہتاب عشق ہے
میں ترا بندہ ہوں تو میرا خدا — حسن سے ہر دم خطابِ عشق ہے
جب سے ہے حسن ازل سے آشنا — غیر فانی ہر حبابِ عشق ہے
مضطرب ہوتی نہیں دنیائے حسن — کتنا ساکن اضطرابِ عشق ہے
عشق کیا ہے پرتوِ انوارِ حسن — حسن کیا ہے انتخابِ عشق ہے
حسن جب سے ساقیِ محفل بنا — جو ہے مدہوشِ شرابِ عشق ہے
مضطرب رہ جانِ عاشق مضطرب — مضطرب رہنا ثوابِ عشق ہے

اکبرِ زارِ دل ہوا ہیں حزن و ملال
کامگار و کامیابِ عشق ہے

جناب مولانا سید محمد یونس صاحب جوہر عظیم آبادی

میں اور شب فرقت میں اور یہ تنہائی — اے پیکر خاموشی اب جان پہ بن آئی
اے شائق نظارہ سمجھا کہ نہیں مجھ [illegible] — ہے جلوہ گری کس کی ہے کون تماشائی
میں اور پھر [illegible] دیوانہ — کچھ تجھ کو خبر بھی ہے [illegible]
کیفیت نظارہ آنکھوں سے مری پوچھو — تھی [illegible] ہر چشم تماشائی
فرقت کی مصیبت [illegible] — کیا کیا [illegible]
جو اہل خرد ہیں وہ کچھ منہ سے نہیں کہتے — نادان ہیں [illegible] سودائی
سودائے جنوں کچھ جوشش ہے [illegible] — میں اور [illegible] مری بینائی
پوشیدہ ہے کیوں منظور ہے کب انکو — وہ عشق ہی کیا اے دل جس کی [illegible] رسوائی
کیوں حال مرا یوں بگڑے کیوں رنگ ہو [illegible] — ہاں غیر کے مرنے کی کیا تم کو خبر آئی
کیوں دل [illegible] — دل اس پہ مرا آیا مجھ [illegible] بلا آئی
کیا نام بتاؤں میں کچھ نام بھی ہو آخر — رند اور خراباتی دیوانہ و سودائی

کیوں تم کو تعجب ہے جوہر کے جنازے پہ
مرتا نہ تو کیا کرتا جب جان پہ بن آئی

کلام طاہر

جناب سید جمیل احمد صاحب طاہر حسنی الحسینی جودھپور۔ مارواڑ۔

وہ ولولے شباب کے وہ جوش ہو گئے — خواب و خیال سب تھے کہ فراموش ہو گئے
اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی — رخصت وہ ہم سے صبح بناگوش ہو گئے
جلاد بار قتل سے اور بار سر سے ہیں — اک وار ہی میں دونوں سبکدوش ہو گئے
رونا ہمارا ان کی نگاہوں میں ایسا — اشکوں کے قطرے انکے دُرِ گوش ہو گئے
مجھکو یہ فخر ہے کہ ستمکش میں بن گیا — انکو یہ ناز ہے کہ ستمکوش ہو گئے
لخت جگر ہے کھانے کو پینے کو خون دل — الفت میں خاک خوب خور و نوش ہو گئے
نکلی جو میکدہ سے پری چہرہ مست رند — زاہد کے دیکھتے ہی ہوا ہوش ہو گئے
اقرار وصل تھا کہ شکایت رقیب کی — کچھ کہتے کہتے ہم سے وہ خاموش ہو گئے
مصروف جور تازہ وہ بیرحم پھر ہوا — سرگرم آہ پھر لب خاموش ہو گئے

طاہر ہی رعب حسن سے خاموش ہو گیا
جتنے گلے تھے دل میں فراموش ہو گئے

تفسیر پیمانہ

جناب سید عبد المجید صاحب سہیل حسنی غازی پوری۔

جو کل پیمانہ کش تھے آج ہیں تخمیر پیمانہ ۔ وہ تھا اک خواب پیمانہ یہ ہے تعبیر پیمانہ

کسی کا دست نازک اور ہو جائے گیر پیمانہ ۔ زہے اقبال پیمانہ زہے تقدیر پیمانہ

بھلا پھر میری جانب بزم رنداں میں کیوں آتا ۔ کہ اپنی شومی قسمت تھی دامنگیر پیمانہ

اے پیکر تو اسکو دیکھ کر بیہوش ہو جائے ۔ سب میرے دل کی حالت غیرت تاثیر پیمانہ

سہیل رند کی تربت کو یوں پہچان لیجئے گا
کہ اس پر بھی کھنچی ہوگی کوئی تصویر پیمانہ

جناب مولوی محمد شفیق صاحب اطہر گرداری

جبکہ ہر وقت آپ کی تری امداد رہے ۔ کیوں نہ پھر رنج و مصیبت سے دل آزاد رہے

اس کا شکوہ نہیں گو مورد بیداد رہے ۔ ہم ستم کش ہیں اور وہ ستم ایجاد رہے

وعدہ کرتا ہے تو سب شرط وفائے وعدہ ۔ بھول جانے کی بھی عادت ہے تری یاد رہے

فتح ہو کر بھی تڑپنا نہوا ہائے نصیب ۔ محو حیرت ہی نہ خنجر جلاد رہے

گو وطن میں ہوں مگر پاس نہیں ذوق نسیم ۔ خاک پھر شاد دل اطہر ناشاد رہے

کالی گھٹا

جناب منشی اکرام الدین صاحب نسیم - دہلوی

دل ہوا جاتا ہے بیخود دیکھ کر کالی گھٹا ۔ جھوم کر آئی ہے کیا کعبہ سے متوالی گھٹا
تم کہاں جاتے ہو ایسے وقت کیا جچتی نہیں ۔ رات کا موقعہ بھی ہے سر پر ہے یہ کالی گھٹا
دل لہو روتا ہے پہروں اشک تھمتے نہیں ۔ یاد آتی ہے مجھے جب وہ شفق والی گھٹا
تم نہیں ہو پاس تو کچھ لطف پینے کا نہیں ۔ کچھ بھلی معلوم ہوتی ہی نہیں خالی گھٹا
کس نشہ میں بیخبر سب بیٹھے ہیں ہمدمان چمن ۔ ہاں اٹھاؤ جام ڈھالو بھی کہیں آئی گھٹا
محتسب دل کیوں نہ تڑپے برق سی برسات میں ۔ یہ سہانا وقت یہ ٹھنڈی ہوا کالی گھٹا
جب کبھی بیباکیوں سے دور کی منہ سے نقاب ۔ زلف شبگوں نے وہیں رخ پر تری چھالی گھٹا

یاد گیسو میں ٹپکتے ہیں نسیم آنکھوں سے اشک
یہ رلانے کے لئے کچھ کم نہیں کالی گھٹا

جناب منشی حبیب اللہ صاحب عابد برہانپوری

آدمی ہو لاکھ نازاں خوبیٔ تدبیر کا ۔ مٹ نہیں سکتا مگر لکھا ہوا تقدیر کا
کوئے جاناں کی اگر ہو خاک قسمت سے نصیب ۔ میں یہ سمجھوں مل گیا حصہ مجھے اکسیر کا

یاالٰہی عابد خستہ کی ہے یہ التجا
روضۂ اطہر دکھا دے حضرت شبیر کا

قطرات نیساں

(جناب میرزا من علی صاحب نیساں حیدرآباد دکن)

ظلم و ستم انوکھے ایجاد کر رہے ہیں
بستی وہ پھر ہماری برباد کر رہے ہیں

نالے بھی کر رہے ہیں فریاد کر رہے ہیں
ہم دادخواہ ہیں وہ بیداد کر رہے ہیں

اس طرح شرح جور صیاد کر رہے ہیں
مرغ چمن قفس میں فریاد کر رہے ہیں

ازبر دوبارہ غم کی روداد کر رہے ہیں
ہم یوں ترے ستم کو اب یاد کر رہے ہیں

محفل میں انکی ساماں ہیں عیش کے مہیا
شام فراق میں ہم فریاد کر رہے ہیں

پھر ظلم سہ رہے ہیں دلدادگان الفت
بیداد کرنے والے بیداد کر رہے ہیں

خوشیاں منا رہے ہیں خوشیاں منانیوالے
فریاد کرنیوالے فریاد کر رہے ہیں

پھر دل میں دے رہے ہیں ارمان کو جگہ ہم
اجڑا ہوا مکاں پھر آباد کر رہے ہیں

یاد خدا کہاں ہے یاد بتاں میں نیساںؔ
دن اپنی زندگی کے برباد کر رہے ہیں

جناب حافظ معین الدین صاحب منیف اعظم گڈھی

کس کس کا خون ہو تیری تیغ نگاہ سے — سفاکیاں برستی ہیں چشم سیاہ سے

نکہت کی طرح کرلے رگِ گل میں آشیاں — اے عندلیب چاہ نگر مشت گاہ سے

نرگس اُگی ہوئی ہے مری خاک قبر پر — مارا ہے کس نے غمزۂ چشم سیاہ سے

دل سے ہوں پوچھتا در دلدار کی خبر — میں طالب سراغ ہوں گم کردہ راہ سے

داغ فراق سے اسے حاصل ضیا ہوئی — روشن کہیں ہے شمع لحد مہر و ماہ سے

آخر میں اپنے ولولۂ دل کو کیا کروں — مستی ٹپک رہی ہے کسی کی نگاہ سے

تقصیر کچھ تو جذب محبت نے کی ضرور — کیوں آتے آتے پھر گئے آخر وہ راہ سے

آنکھیں جو اسنے پھیر لیں دم ہی نکل گیا — گویا بندھا تھا رشتۂ جاں اس نگاہ سے

آنکھوں میں کچھ خمار سا ہے خواب ناز کا — وہ اٹھے یا کہ فتنے اٹھے خوابگاہ سے

طوفان سیل اشک جو برپا ہے اس طرح — کیا جانے آنکھیں لڑ گئیں کس رشک ماہ سے

سرشار ہے کہ چال اوڑائی ہے آپ کی — کیوں لغزشیں نمایاں ہیں پائے نگاہ سے

وابستہ موت و زیست ہے میری بس اے منیفؔ
لعل لب اور دیدۂ قاتل نگاہ سے

جتنی چیزیں جہاں میں ہیں موجود   سب دکھاتی ہیں شان ربّ ودود
سب بتاتی ہیں قدرت معبود   سب سے ثابت ہے یوں خدا کا وجود

مالک الملک لا شریک لہٗ
وحدہٗ لا الہ الا ہو

سب پہ ظاہر ہیں حکمتیں تیری   سب پہ روشن ہیں صنعتیں تیری
سب پہ نازل ہیں رحمتیں تیری   سب سے کہتی ہیں نعمتیں تیری

مالک الملک لا شریک لہ
وحدہٗ لا الہ الا ہو

تو نے پیدا کیا زمانے کو   تو نے پنہاں کیا خزانے کو
عیب پیدا کئے چھپانے کو   شان لطف و کرم دکھانے کو

مالک الملک لا شریک لہ
وحدہٗ لا الہ الا ہو

تیری قدرت کے بھید وہ جانے   تجھ میں گم ہو کے تجھکو پہچانے
کر کے بحثیں جہان کے سیانے   اے ذبیح اب لگے ہیں سب گانے

مالک الملک لا شریک لہ
وحدہٗ لا الہ الا ہو

توحید کا مضمون ضمناً آگیا تھا وہ ختم ہوا اس لئے بقیہ اشعار کبیر صاحب کے یہاں لکھدینا ضروری ہیں۔

بھولتوں بھولتوں بھول ایسی پڑی اپنا روپ نہیں نیک جانا[^1]
گیان بچار بیک بن بھولیاں سنگھ کا روپ لے بھیڑ مانا

[^1]: یہ اشعار قصہ طلب ہیں۔ کسی چرواہے نے ایک بچہ شیر کا بھیڑوں میں پالا (باقی اگلے صفحہ پر)

سنگھ سے سنگھ جب سنگھ ستگر ملے ٹیر کی اپنی نکٹ آنا
دیکھ تو بوجھ تو ردپ ہے اپنا کون سی آنکھ نیند ٹھانا
جیو سے برم ہے برم سے جیو ہے نیر اذر چھیر لے ملا چھانا
کہے کبیر گرگیان بن بھولیاں وار کو چین اور پار جانا

عملی ہوکے دہر دہیان ۔۔۔ گرہے ہوکے کہیتی گیان
جوگی ہوکے کوٹے بھگ ۔۔۔ کہیں کبیر یہ تینوں ٹھگ

شاہ کبیر کہتے ہیں ؎

بڑے بھئے دکھ بہت ہی چھوٹی سی دکھ دور
تارے سب نیارے رہیں گہیں چاند اور سور
خوب پرکھ کی دیکھ کبیرا یہ مردوں کا گانوں
اسمیں جگ بھر کوئی نہ جیا کس کا لیجے ناؤں
پیر پیمبر مرگئے مرگئے جنگم جوگی
راج کرنتا راجہ مرگئے مرگئے بید اور روگی

(بقیہ صفحہ ۴۱) جب وہ بڑا ہو گیا تو بھیڑوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اُسنے سمجھ لیا کہ میں بھی بھیڑ ہوں۔ ایک روز جنگل میں سے شیر نکلا اور دیکھا کہ بھیڑوں میں شیر پھرتا ہے۔ اُسنے معلوم کیا کہ اس نے اپنے آپ کو بھیڑ مان رکھا ہے۔ جنگلی شیر جھٹ پٹ ایک بھیڑ کو چیر پھاڑ کر کھانے لگا اور کہا کہ ذرا تو بھی اپنے آپ کو دیکھ کہ تو کون ہے۔ اب ناظم کہتا ہے کہ بھول نے انسان پر ایسا غلبہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو بھول گیا اور عقل پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ شیر ہو کر بھیڑ بن گیا۔ شیر کو جب شیر ہی ست گرو ملے تو ایک للکار میں باہر آجاوے۔ ذرا غور سے اپنی شکل کو دیکھ کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا اور کہاں آ کر محبت لگائی۔ روح اور ذات میں کچھ فرق نہیں۔

اور یہ بات میری وہ سمجھے گا جو پانی اور دودھ کو جدا جدا کرے گا۔

شاہ کبیر آخری مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بغیر عنایت گرو کے اس دریا سے پار کرنا مشکل ہے۔

سلہ عملی نشہ باز گرہے عیال دار۔ گیان معرفت جوگی آزاد قلندر بھگ ستر عورت۔ مطلب یہ کہ۔ جو نشہ باز ہو کر مراقبہ کرے اور عیالدار ہو کر معرفت میں گفتگو کرے۔ اور آزاد قلندر ہو کر عورت سے ہم صحبت ہو۔ کبیر کہتا ہے کہ یہ تینوں ٹھگ ہیں۔

چندا مرے سورج مرے مرے برن اکاسا

جو وہ طبق پانی میں ڈوبیسا ان کی چھوڑ واسا

راما مر گئے کرشنا مر گئے مر گئی الکھ بانی اسکو سادھو کیوں نہیں پوجو جسکو موت نہ آئی

ایک سمرلے الکھ نرنجن جنپہ جگ اپجایا کہیں کبیرا سنو رے سادھو جھوٹی جگ بھرمایا

تنقید کرنے سے اوپر کا شعر نمبر ۱. گڑبڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ شاہ کبیر اس مقام پر چوک گئے۔ اس جہان کو جھوٹا کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارشاد باری ہے۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا (اے پروردگار ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ جہان بے فائدہ)

شاہ کبیر ایک روز اپنا تانا بانا سنوار رہے تھے کسی شخص نے پوچھا کہ مہاراج کیا کرتے ہو۔ جواب دیا کہ ادھر سے توڑتا ہوں اُدھر جوڑتا ہوں۔ پھر پوچھا کہ یہ آپ کے سر پر کیا ہے کہا کہ کوچ ہے۔ سچ یہ ہو کہ جب تک انسان کے سر پر کوچ سوار نہیں ہوتا ادھر سے توڑنا اُدھر جوڑنا نہایت مشکل ہے۔

شاہ کبیر کے گھر میں ایک روز چور گھس آیا کہ اس کا بیجا چوکیدار کر رہا تھا چور نے صاف کہدیا کہ میں چور ہوں سپاہی میرے پکڑنے کو آرہے ہیں شاہ کبیر نے کہا کہ یہ میری بیٹی سوتی ہے تم بھی اس کے پاس سو جاؤ۔ چور اُس کے پاس سو گیا۔ جب سپاہی کبیر کے گھر آکر چور کو دریافت کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ صاحب یہاں چور تو نہیں ہے۔ یہ میری بیٹی اور داماد سوتے ہیں۔ وہ ان کو سوتے دیکھ کر چلے گئے۔ پھر چور اُٹھا اور تائب ہو گیا۔ یہ ہے کسر نفسی اور حاجت روائی خلق۔

لہ ایک کو اختیار کرو ایسا ایک جو نظر نہیں آتا اور سب گھٹ میں سمایا ہوا ہے جس نے جہان کو پیدا کیا۔ کبیر کہتے ہیں سنو یارو جھوٹے جگ میں پھر کوئی آیا ہے۔

سید احمد خاں صاحب بانی مدرستہ العلوم علی گڈھ کی بابتہ بھی ہم نے سنا ہے کہ ایک طالب علم جو صوبہ متحدہ میں اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں اُن کے فرضی بھتیجے یا داماد بنکر ایک مصنوعی چٹھی اُن کی جانب سے لکھکر کسی لفٹنٹ گورنر سے خواستگار ڈپٹی کلکٹری ہوئے جو سید صاحب کا دوست تھا۔ اُس نے فوراً ڈپٹی کلکٹری عنایت کی اور سید صاحب کو لکھا کہ آپ کے بھتیجے یا داماد آئے تھے اور آپ کا خط لائے تھے ہم نے ڈپٹی کلکٹر کر دیا ہے۔ سید صاحب نے اُن جناب کو خط لکھا کہ ڈپٹی کلکٹری مبارک ہو مگر بھتیجے یا داماد ہی بنے رہنا کوئی اور رشتہ نہ قایم کر لینا۔ یہ تھی کسر نفسی اور ایثار۔ اب ایسے لوگ کہاں۔ آدمیاں گم شدند۔ شاہ کبیر فرماتے ہیں ؎

تن دھر[۵۱] سکھیا کوئی نہ دیکھا جو دیکھا سو دُکھیا رے
ڈگر[۵۲] چلنتی ست[۵۳] گھٹ دُکھیا کیا گرہی[۵۴] اور بیراگی رے
سکھا[۵۵] چارج دُکھ ہی کے کارن گرہے تایا[۵۶] تیاگی رے
اودے[۵۷] است کی بات کہت ہوں تا کو کری بیکا[۵۸] رے
اونچے چڑھ چڑھ دیکھ تماشا گھر گھر ایک ہی لیکھا[۵۹] رے
چاند دکھت ہے سورج دُکھیا بندن بھر مت جائی رے
برہما بشن مہیش دُکھ کہت ہیں جن یہ ہاٹ[۶۰] لگائی رے
جوگی دُکھیا جنگم دُکھیا تپسیا کو دُکھ دونا رے

۵۱ جسم والا ۵۲ ڈگر راستہ ۵۳ جگہ ۵۴ دُنیا دار
۵۵ نام شاعر ۵۶ تارک الدنیا ۵۷ طلوع غروب ۵۸ گیان
۵۹ حساب ۶۰ دُکان

آشاترشنہ سب گمنٹ پوری ایکو محل نہ سونا رے
دوت[۱] دکھی ابدوت[۲] دکھی ہیں انکا ذکر ہی کتنا رے

کہے کبیر سنو بھائی سادہو کوئی مندر نہیں سونا رے (یعنی کوئی جگہ دُکھ سے خالی نہیں)

المختصر شاہ کبیر کی زندگی کا خاتمہ ۱۵۱۸ء میں ہوگیا۔ اور فیصلہ ہر فریق نے اپنے حق میں خیال کیا۔ صاحب گزیٹر بستی لکھتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کبیر شاہ کس مذہب کے تھے۔ اِس لیئے کہ اُنھوں نے دونوں مذہب کی ایک ہی جوش کے ساتھ پیروی کی اور دونوں مذہب والے اِس بات کو مانتے ہیں کہ اُن کی تعلیم میں دونوں مذہب کے لوگوں کے واسطے مفید باتیں تھیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے سہ

ذات پات پوچھے نہ کوئے ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

شاہ کبیر کی ہندی شاعری کے چند نمونے اوپر دکھائے گئے ہیں جنکی دلچسپی کے وہ نمونے خود گواہ ہیں۔ ایسے ہی

ہندی شاعری میں تلسی داس خاص طور سے قابل ذکر خیال کئے جاتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اُن کی صوفیانہ رنگ کی ہندی شاعری کے چند نمونے ہدیہ ناظرین کرنے سے قبل اُن کی مختصر سوانح عمری بھی آگاہی ناظرین کے واسطے لکھدیں اور اُسکے بعد اُن کی ہندی شاعری کے نمونے دکھلائیں۔

گوشائیں تلسی داس جی کی سوانحعمری

گوشائیں تلسی داس جی ذات پات کے برہمن اور موضع راجپور ضلع باندہ کے متوطن تھے۔ اُن کے والد کا نام آتمارام دوبے اور والدہ کا نام ہولاسی تھا

[۱] خواہش دُنیا [۲] فرشتہ [۳] غیر فرشتہ

آپ کی پیدائش سمت ۱۵۸۹ میں ہوئی۔ چونکہ ہندو شاستروں کی رو سے آپکا وقت پیدائش ایک ایسی گھڑی تھی کہ مولود کو ہمیشہ کے لیئے گھر سے نکالدیا جائے۔ لہذا آپ کے والدنے جو اپنے مذہب کے ایک پکے معتقد تھے اُن کو باہر پھنکوادیا مہاتما نرسنگھ داس سادھو نے ان کو اٹھاکر اپنی کٹی میں منگوالیا اور اچھی طرح سے ان کی پرورش کی۔ اور جب ذرا ہوشیار ہوتے تو "گرو دکشا" دیکر انکو اپنا شاگرد بنالیا۔ اور ان کا نام تلسی داس رکھا۔ اِس سے پیشتر وہ ہمیشہ ان کو رام بولا کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

اُن دنوں ایک مشہور پاٹھک مہاتما دین بندھو قریب ہی رہا کرتے تھے ان کی بیٹی رتناولی نہایت خوبصورت اور نازک بدن تھی۔ باپ کی تعلیم و تلقین نے لڑکپن ہی سے اُس کے دل میں ایک اچھا بیج بودیا تھا۔ اس نیک تربیت کے باعث وہ ایک خدا پرست لڑکی بن گئی۔ جب بالغ ہوئی تو باپ کو اُس کے شادی بیاہ کی فکر ہوئی۔ اُدھر گوسائیں تلسی داس جی بھی سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے۔ ایک آدمی کو درمیان میں ڈال کر گسائیں جی نے اپنا عندیہ مہاتما دین بندھو پر ظاہر کیا۔ اُنھوں نے یہ درخواست منظور کر کے نہایت دھوم دھام کے ساتھ دونوں کی شادی کر دی حق یہ ہے کہ یہ جوڑا ایسا اچھا بنا تھا کہ اسکی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک عالم اور خدا پرست شخص کو جو خوشی ایک تربیت یافتہ اور نیک بیوی کے ملنے سے ہوتی ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ مہاتما دین بندھو جی بھی ایک قابل داماد ملنے کے باعث از حد خوش تھے۔ بیگم رتناولی ہمیشہ شوہر کی خدمت و پاسداری میں مشغول رہتی تھی۔ گسائیں جی کو بھی اُسے اِس قدر اُلفت و محبت تھی کہ دم بھر بھی انھیں اپنے پاس سے جُدا نہ کرتے تھے کچھ عرصہ بعد خدا تعالیٰ نے اُن کو اولاد نرینہ عنایت فرمائی کہ جس کا نام تارک

رکھ گیا۔ اِس الٰہی کشش سے اُن دونوں کا رشتۂ اُلفت اور بھی مضبوط ہو گیا رتناولی کے والد نے کئی بار اسے بلانے کو آدمی بھیجا مگر گوسائیں جی نے اس کی جدائی کو منظور نہ کیا۔ آخر کار رتناولی کا بھائی اسے اپنے ہمراہ گھر لے جانے کے لئے آیا۔ اِس دفعہ اُس نے خود بھی اپنے باپ کے گھر جانے میں زور لگایا۔ مگر گوسائیں جی بالکل راضی نہ ہوتے۔ اتفاقاً کسی کارِ ضروری کے لئے گوسائیں جی کو باہر جانا پڑ گیا۔ رتناولی بلا اجازت اُنکی عدم موجودگی میں بھائی کے ہمراہ باپ کے گھر روانہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد گسائیں جی واپس آ گئے۔ رتناولی کو وہاں موجود نہ پاکر سخت بیکل ہوئے۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈھا کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر آس پاس کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے۔ گسائیں جی تاب مفارقت نہ لاکر فوراً سسرال کی طرف روانہ ہو پڑے۔ رتناولی ابھی رشتہ داروں سے ملنے بھی نہ پائی تھی کہ گسائیں جی بھی جا پہنچے۔ ان کو دیکھکر وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ جھنجلا کر شاندار لہجہ میں بولی۔

"پران ناتھ! جو نسبت تم کو مجھ سے اور میرے ناپائدار جسم سے ہے اگر یہی محبت شری رامچندر جی سے ہوتی تو دین و دُنیا دونوں کما لیتے"۔

گسائیں جی ایک گیانی پنڈت تھے۔ اُن کے دل پر یہ بات تیر کی طرح لگی۔ اور کچھ عرصہ کی بجھی ہوئی آگ ایک دم چمک اُٹھی۔ فوراً تمام دنیوی تعلقات پر لات مار کر کاشی جی (بنارس) کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچکر رات دن یادِ الٰہی میں مگن رہنے لگے۔

گسائیں جی کی زندگی کا سب سے مشہور واقعہ یہی ہے کہ جس نے آن کی آن میں اُن کی کایا پلٹ دی۔ عورت کی ایک ذرا سی بات نے اُن کے دل کو ہمیشہ کے لئے دُنیا سے موڑ دیا۔ اور رفتہ رفتہ اُس کا یہ نتیجہ نکلا کہ رامائن جیسی مشہور و معروف

کتاب آج دنیا میں موجود ہے۔ یہ وہ نہ مٹنے والی یادگار ہے جو ہزاروں دلوں میں گھر کئے ہوئے ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں جو ہر دلعزیزی اور شہرت راماین کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کے حصہ میں نہیں آئی کہنے کو ایک مہاراجہ کی سوانح عمری ہے مگر اسمیں فرائض کے ایسے بہترین نمونے پیش کئے گئے ہیں کہ جنکی نظیر مشکل سے ملیگی۔ اسمیں اُس زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے جو قدیم آریوں کی نگاہ میں مکمل کہلاتی تھی۔ کچھ شک نہیں کہ ہندو اس کتاب کے زیر بار احسان ہیں۔ کوئی ہندو خواہ کسی فرقہ یا گروہ کا ہو ایسا نہ ملیگا جس نے راماین کو پڑھا یا سُنا نہ ہو اور اُس کے دل پر اُس نے نیک اثر نہ ڈالا ہو۔ یہ درست ہے کہ راماین ایک قصہ ہے مگر درحقیقت یہ وہ بے نظیر قصہ ہے کہ جس کے مطالعہ سے پڑھنے والے کے دل میں وسیع خیالات سرایت کر جاتے ہیں۔ اور وہ اوصاف جو کمالات انسانی کا زیور ہیں ہمارے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ راستبازی۔ ایفائے عہد فرزندانہ اطاعت۔ پدرانہ محبت وحلم۔ استقلال عفو۔ غرضیکہ کوئی ایسی خوبی نہیں جسے جادو نگار شاعر نے نظر انداز کر دیا ہو۔ مگر وہ بات جس کے باعث دیگر اقوام و مذاہب کے لوگ بھی راماین کو اپنے دلوں میں اچھی اور ممتاز جگہ دیتے ہیں یہ ہے کہ اُس نے ہندو علم ادب کا ایک اعلےٰ نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور یہ کامیابی کچھ شاعرانہ بلند پروازی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے مصنفوں کی غیر معمولی قابلیت اور دیگر خداداد عطیات کی بدولت ہے۔ گرفتھ صاحب کا یہ قول کہ راماین دُنیا میں ہر وقت و ہر ملک کے علم ادب کو برابر کامیابی کے ساتھ چیلنج دیتی رہیگی اور انسانی کمال کی یہ مکمل تصویریں جو رام اور سیتا میں نظر آتی ہیں کہیں اور

مولانا شبلی نعمانی کی شہرۂ آفاق کتابیں

الفاروق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل سوانح عمری کے علاوہ اُن جملہ واقعات کی تشریح جو حضرت عمرؓ کے وجود سے متعلق ہیں۔ اُن تمام لڑائیوں کی تفصیل جو رسول خدا کے خلاف کفار عرب نے انجام دیں اور اُن میں حضرت عمرؓ کے عقلی و عملی کارنامے۔ رسول خدا کی وفات۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اسلامی قانون کا اجراء، تمام محکمہ جات کی ایجاد۔ ڈاک کے سلسلے ٹیکس اور لگان کے طریقے بالتفصیل درج ہیں کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحات قیمت دو روپے (۲؎)

سیرۃ النعمانؒ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ کے حالات اور فن فقہ پر تفصیلی ریویو۔ کاغذ چکنا ولایتی سفید، حجم تقریباً ۶۰۰ صفحے قیمت ہر دو حصہ کامل (۲؎)

المامون یعنی نامور فرمانروایانِ اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت ۴۰۰ صفحے ہر دو حصہ

الغزالی امام غزالیؒ کی ولادت۔ غزالی کی وجہ تسمیہ، ابتدائی تعلیم، امام صاحب کی یادداشتوں کا لُٹ جانا، امام صاحب پر ایک قزاق کے طعنہ کا فوری اثر۔ تکمیل تحصیل علم کی غرض سے نیشاپور کا سفر، تصوف در حالت بیخودی میں بغداد سے نکلنا، کاغذ سفید ۱۳ مرخیو کے تحت ۲۶۸ صفحوں پر

سوانح مولوی روم مثنوی شریف پر نہایت تفصیل سے تقریظ اور تبصرہ، مولانا کی پیدایش سے وفات تک کے مفصل حالات، شمس تبریز کا قتل یا گم ہو جانا۔ صفحات ۲۳۶، قیمت

سفرنامہ روم و مصر و شام، حضرت شبلیؒ کے حالات سفر ممالک اسلامیہ اپنے قلم سے قیمت

اورنگ زیب پر ایک نظر شہنشاہ عالمگیر پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اُن کا جواب نہایت تحقیق اور استدلال سے دیا ہے۔ قیمت صرف

رسائل شبلی۔ اس میں گیارہ رسالے ہیں ۲۹۴ صفحات قیمت

آغاز اسلام۔ ترجمہ بدء الاسلام قیمت

بیان خسرو۔ حضرت امیر خسروؒ کے کلام پر محققانہ ریویو اور پیدایش سے وفات تک حالات

مقالات شبلی۔ اس میں ۱۴ جداگانہ مضامین ہیں۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

مجموعہ نظم شبلی اس میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں، آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات زندگی، مولوی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ اور مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے نکلے ہوئے قیمت

الہارون خلیفہ ہارون رشید کی مکمل سوانح عمری خاندان برامکہ کے عزل و نصب کا پورا فوٹو۔ الف لیلہ کے قصوں پر تنقید۔ مصنفہ مولوی مصباح الدین احمد صاحب قیمت دو روپیہ

[illegible]

اردوئے معلی

اردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

ملک کے مشہور اہل قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہو کر

ہر انگریزی مہینے کی پندرھویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

ایڈیٹر و مہتمم

قربان علی کامل

نے

[illegible] دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

اردوئے معلّٰی دہلی

جلد ۱۰ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۱

شذرات

اردوئے معلّٰی جون سنہ ۱۹۲۳ء سے شائع ہو رہا ہے اس حساب سے یہ دسواں سال ہے۔ گو درمیان میں طرح طرح کی پریشانیاں اس کے تسلسل میں سدّ راہ ہوئیں مگر خدا کا شکر ہے کہ وقت بے وقت شائع ہوتا ہی رہا۔ سلسلہ منقطع ہونے سے خریدار بھی ٹوٹتے گئے اور مجھکو نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو پابندی اوقات کے ساتھ شائع کروں۔ خدا کو منظور ہے تو آج سے اردوئے معلّٰی ٹھیک وقت پر نکلتا رہے گا۔

جن خریداروں کی قیمتیں پیشگی وصول ہو چکی ہیں اون کی خدمت میں مسلسل روانگی ہوگی اور جن کے ذمہ کسیقدر رقمیں باقی ہیں اُن سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔ یہ پرچہ ان کے نام بھی روانہ ہو رہا ہے جو تھوڑی تھوڑی رقموں کے دیندار ہیں آیندہ اگر ان کو خریداری منظور ہو تو اس پرچہ کے وصول ہونے کے بعد فوراً ایک ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں۔ جن کا منی آرڈر وصول نہیں ہوگا اون کے نام خریداری کا پرچہ روانہ نہیں کیا جائے گا۔

وی۔پی منگانے میں خریدار کو تین آنے زیادہ دینے پڑیں گے۔ منی آرڈر میں صرف دو آنے فیس کے لگیں گے اور وی۔پی میں تین آنے رجسٹری کے زیادہ خرچ ہوں گے یعنی وی۔پی میں ۵؍ ڈاک خانہ لیگا اور منی آرڈر میں ۲؍ اس لئے منی آرڈر کرنے میں تین آنہ کی بچت ہے۔

مضمون نگار حضرات اس بات کا خیال رکھیں کہ ہر مضمون سلیس اردو میں ہونا چاہئے عاشقانہ غزلوں کا اب وقت نہیں ہے ایسے اشعار ہونے چاہئیں جن سے پڑھنے والے محظوظ ہونے کے ساتھ بہرہ اندوز بھی ہو سکیں۔

افسانوں کی طرف آجکل پڑھنے والوں کا لگاؤ زیادہ ہے اس لئے مضمون نگار اصحاب کو اپنا تخیل فسانہ نگاری میں زیادہ صرف کرنا چاہئے۔

---

۷ جنوری کی صبح کو سر محمد شفیع کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپنے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اپنی والدہ کی علالت کے باعث گول میز کانفرنس کو ناتمام چھوڑ کر لندن سے واپس آئے۔ واپسی کے تھوڑے ہی دن بعد نمونیہ ہوا اور ایک ہفتہ کی مختصر علالت کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔ دن کے ایک بجے جنازہ اوٹھایا گیا اور پچیس تیس ہزار مسلمانوں نے جنازہ کی نماز پڑہی۔ باغبانپورہ جو مرحوم کا آبائی وطن تھا وہیں دفن ہی ہوئے ساڑھے چار بجے دوبارہ نماز جنازہ باغبانپورہ میں ادا کی گئی۔ ہر شخص رو رہا تھا اور میاں صاحب کی وفات کو قوم اور ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان تصور کر رہا تھا۔ اللہ تعالےٰ میاں صاحب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔

ریاست کشمیر میں حکومت سے کشمیر کے مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے کہ خواہ مخواہ ہندوؤں نے اپنی ٹانگ اڑا کر اس کو فرقہ وارانہ بنا دیا مسلمانوں کے خلاف جا بجا مخالفت کے پروپگنڈے کئے جا رہے ہیں۔ کبھی ریاست بھوپال پر چڑھائی کے منصوبے گانٹھے جاتے ہیں۔ کبھی نظام دکن کی رعایا کو مخالفت کے لئے بھڑکایا جاتا ہے۔ نواب صاحب بہاولپور کی طرف ہی کبھی نوک جھوک ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ باتیں فضا کو تاریک کر دینے والی ہیں کسی ہندو یا مسلمان والی ملک کی بیجا حمایت کر کے ہندو مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی مول لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔

شکاری

از محمد اکرام اللہ خانصاحب

میرا ایک دوست بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں صبح کے وقت اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً ایک ماہی گیر داخل ہوا جس کے کاندھے پر ایک جال تھا۔ جس میں ایک بڑی مچھلی پھنسی ہوئی تھی جو اس نے میرے سامنے پیش کی میں نے قیمت دریافت کر کے مچھلی خرید لی۔ جب میں نے دام ادا کئے تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کئے اور خوش ہو کر کہا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے منھ مانگے دام پائے، جس طرح آپ نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے خدا آپ کے ساتھ بھلائی کرے اور جیسے کہ آپ مال و دولت کے لحاظ سے خوش نصیب ہیں ایسے ہی فی الحقیقت خدا آپ کو خوش نصیب کرے۔

میرا دوست کہتا ہے کہ میں یہ دعا سن کر بہت خوش ہوا اور میں نے یہ آرزو کی کہ کاش خدا اس دعا کو قبول کرنے کے لئے آسمان کے دروازے کھول دے، مگر اس کے ساتھ ہی مجھے تعجب ہوا کہ ایک مفلوک الحال پیر مرد اس حقیقت سے کیوں کر واقف ہو گیا جس سے خواص بھی شاذونادر واقف ہوتے ہیں یعنی یہ کہ انسان کی اصلی خوش نصیبی دولت مند ہونے کے علاوہ کسی اور چیز میں ہے لہذا میں نے اُس سے کہا۔ اے بڈھے کیا دولت کے علاوہ خوش نصیبی کا کوئی اور معیار بھی ہے؟

ایک موثر و پرسکون مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمایاں ہوئی اور اس نے کہا۔ اگر خوش نصیبی کا مدار دولت پر ہوتا تو آج میں دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب شخص ہوتا کیونکہ میں سب سے زیادہ مفلس ہوں۔ میں نے کہا۔ کیا تم اپنے کو خوش نصیب خیال کرتے ہو، اس نے جواب دیا ہاں! کیونکہ میں اپنی آمدنی پر قانع اور زندگی کی موجودہ حالت پر مسرور ہوں، نہ تو مجھکو کسی غیر حاصل شدہ نعمت یا راحت پر حزن و ملال ہے نہ کسی خاص چیز کی حسرت و آرزو ہے پھر میں کیونکر اپنے کو بدبخت خیال کروں۔

میں نے حیرت سے کہا۔ اے شخص تو یہ کیا کہہ رہا ہے میرا خیال ہے کہ شاید بڑھاپے نے تیری عقل میں فتور پیدا کر دیا ہے۔ تو اپنے کو خوش نصیب کیونکر سمجھتا ہے۔ حالانکہ تیرے پاؤں میں جوتا تک نہیں اور بدن پر جو چند کپڑے ہیں۔ وہ بھی پُرانے اور فرسودہ۔

بڈھے شکاری نے کہا: اگر خوش نصیبی نفس کی لذت و راحت کا نام ہے اور بدنصیبی اس کے رنج و تکلیف کا تو یقیناً میں خوش نصیب ہوں، کیونکہ میں اپنے پرانے لباس اور سخت و سادہ زندگی میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جو میرے لئے تکلیف دہ یا رنج و کلفت کا باعث ہو۔ البتہ اگر خوش نصیبی اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو بے شک میں اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

میں نے کہا۔ کیا جب تو امرا کی دولت و حشمت، ساز و سامان اور خوبصورت محلات کو دیکھتا ہے اور ان کے نوکروں چاکروں، عمدہ سواریوں اور لذیذ و خوش مزہ کھانوں پر تیری نظر پڑتی ہے تو تجھکو رنج و ملال نہیں ہوتا۔ کیا اپنی اور امرا کی حالت میں یہ نمایاں فرق دیکھکر تجھکو صدمہ نہیں پہنچتا۔ اس نے جواب دیا یہ سب چیزیں میری نظر میں ہیچ ہیں اور جس بات نے میری نگاہ میں ان چیزوں کو حقیر بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس سب ساز و سامان کے میں ان لوگوں کو اپنے سے زیادہ خوش نصیب نہیں پاتا۔

یہ لذیذ غذائیں جن کا آپ ذکر کرتے ہیں اگر ان سے پیٹ بھرنا مقصود ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یاد نہیں آتا کہ میں کبھی بھوکا سویا ہوں اور اگر لذت نفس اور زبان کا ذائقہ مقصود ہے تو میں ہمیشہ اس وقت کھاتا ہوں جب مجھے خوب بھوک لگتی ہے اس لئے جو کچھ کہ میں کھاتا ہوں وہ مجھکو نہایت لذیذ معلوم ہوتا ہے اور میں نہیں خیال کر سکتا کہ امرا کو اس سے زیادہ لذت حاصل ہوتی ہوگی۔ رہے امراء کے محلات تو میری حالت یہ ہے کہ اگرچہ میرے قبضے میں ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہے لیکن مجھے آج تک محسوس نہیں ہوا کہ وہ میرے اور میری بیوی اور بچے کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے میں اس کا رنجیدہ نہیں ہوں کہ میں ایک بڑے محل کا مالک کیوں نہ ہوا۔

ہاں اگر آپ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ انسان دلچسپ منظر سے لطف و مسرت حاصل کرے تو خدا کے فضل سے میں اس نعمت سے بھی محروم نہیں ہوں، میرے لئے اس قدر کافی ہے کہ میں علی الصباح قبل طلوع آفتاب اپنا جال کاندھے پر رکھ کر دریا پر جاتا ہوں جہاں سپیدہ سحری، آب رواں اور سبزہ زار کے روح پرور مناظر سے لطف اٹھاتا ہوں، کچھ دیر تک یہ حالت رہتی ہے کہ دفعتاً مشرق سے ایک طلائی تھال یا شعلہ آتش کی طرح آفتاب برآمد ہوتا ہے اور اس کی سنہری کرنیں دریا کی سطح پر پھیل جاتی ہیں، جب یہ دلفریب منظر میری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے، اس وقت لطیف جذبات و وجدانات کا مجھ پر قبضہ ہوتا ہے اور میری حالت اس شخص کی مانند ہو جاتی ہے۔ جو کوئی دلچسپ خواب دیکھ رہا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ قیامت تک اس خواب سے بیدار نہ ہو اسی استغراق کی حالت میں دفعتاً میرے ہاتھ کو ایک زبردست جھٹکا لگتا ہے۔ جس سے میں چونک پڑتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ایک مچھلی جال میں پھنسی ہوئی تڑپ رہی ہے۔ مچھلی کیوں مضطرب ہے؟ صرف اس لئے کہ وہ اس آزاد فضا سے جس میں مطلق العنانی سے چل پھر سکتی تھی، جدا ہو کر قید میں مبتلا ہو گئی، جہاں وہ چلنے پھرنے سے بالکل محروم ہے مچھلی کی ان دونوں حالتوں کو میں افلاس اور امارت سے تشبیہ دیتا ہوں۔

ایک فقیر اور مفلس اپنی خواہش اور آرزو کے مطابق جہاں چاہتا ہے آتا جاتا ہے، گویا اسکی حالت ایک آزاد پرند کی مانند ہے کہ جہاں اس کو آزادی سے چگنے یا دانہ کر دینے کا موقع ملتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کی توجہ و نظر سے آزاد نہ ہوتا تو اس آزادی سے نہ اڑتا پھرتا۔ برخلاف ایک دولتمند شخص کے جس کی نقل و حرکت پر لوگوں کی نگاہیں پڑتی ہیں اور جو اس وقت تک باہر نہیں نکلتا جب تک کہ ایک گھنٹہ تک آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر بخیال خود اپنے کو لوگوں کے دیکھنے کے قابل نہ بنا لے لیکن باوجود اس کے جب وہ گھر سے باہر نکلتا ہے تو اپنے جسم و اعمال میں آزاد نہیں ہوتا بلکہ اپنی پوزیشن کا خیال بسا اوقات اس کو مناظر فطرت کے مطالعہ و مشاہدہ سے بھی محروم رکھتا ہے۔

غرض میں یہ کہتا تھا کہ جب اسقدر مچھلیاں جال میں پھنس جاتی ہیں جن کی قیمت میری

روزانہ ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہے تو میں ان کو لیکر دریا سے لوٹتا ہوں اور بازاروں میں یا لوگوں کے گھروں پر جاکر بیچڈالتا ہوں، جب دن ڈھل جاتا ہے تو اپنے گھر واپس آتا ہوں، میرا بچہ مجھے دیکھکر لپٹ جاتا ہے اور میری بیوی کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھتا ہے غرض جب میں اس طرح روزی کماکر اپنے اہل وعیال کا اور نماز پڑھ کر اپنے خدا کا حق ادا کرچکتا ہوں تو چین سے پاؤں پھیلاکر سوتا ہوں۔ مجھے نہ قالین کی ضرورت ہے نہ نرم وگرم بستر کی، پس ایسی حالت میں جب کہ اور لوگوں سے زیادہ مجکو اطمینان قلب حاصل ہے میں کیونکر اپنے کو بدنصیب خیال کروں، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اور لوگوں کی برابر مال ودولت مجکو میسر نہیں ہے۔

مجھ میں اور ایک دولتمند شخص میں بس اس کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ جب لوگ مجھے دیکھتے ہیں تو میری تعظیم کیلئے نہیں کھڑے ہوتے لیکن میری نگاہ میں اس تعظیم وتکریم کی کوئی قدر وقیمت نہیں، نہ مجکو اس کی کچھ پروا ہے۔ جب مجکو لوگوں کے اعمال و معاملات سے کچھ تعلق نہیں تو مجکو اس سے کیا مطلب کہ لوگ بیٹھے رہتے ہیں یا کھڑے ہو جاتے ہیں، ہوا میں اڑتے ہیں دریا میں گھس جاتے ہیں، میں ان لوگوں کی حرکات کو اس طرح دیکھتا ہوں جسطرح کہ ایک زندہ انسان، کٹھ پتلیوں کی نقل وحرکت کو دیکھتا ہے۔

مجکو اس دنیا میں اپنے روزی دینے والے خدا کے سوا جسکی عبادت کرتا ہوں اور جسکی توحید کا معترف ہوں اور کسی سے علاقہ نہیں ہے، میں خدا کے سوا کسی اور شخص کی ربوبیت کا معتقد نہیں ہوسکتا اور نہ مجکو اس پر قدرت ہے کہ خدا کی توحید کے ساتھ کسی اور شخص کی عظمت کو اپنے دل میں جگہ دوں میرے اعتقاد کی یہ کیفیت یہاں تک مضبوط ومستحکم ہوچکی ہے کہ اگر ایک عظیم الشان بادشاہ مع اپنی شاہی شوکت اور خیل وحشم کے نمودار ہو تو میرا دل اس کے رعب وبدبہ سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوگا اور میری نگاہ میں اس کی وقعت ایک شطرنج کے بادشاہ سے زیادہ نہ ہوگی۔

یہ یقین کامل جو مجکو حاصل ہے، رنج وغم اور حزن وملال کی حالت میں میری تسلی کا باعث ہوتا ہے جب کوئی مصیبت مجھ پر نازل ہوتی ہے اور حوادث زمانہ مجھ پر ہجوم کرتے ہیں تو یہی یقین واطمینان میرے مصائب کو ہلکا کردیتا ہے اور میں ان مصائب سے کیونکر لرزہ پذیر ہوسکتا ہوں جب کہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ مقدر میں ہے اس سے گریز ممکن نہیں کہ جسقدر

صبر و تحمل کے ساتھ میں مصائب کو برداشت کروں گا۔ اُسی قدر مجکو اجر ملے گا۔

میں قضا و قدر، خیر و شر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہوں اور عذاب و ثواب کا قائل ہوں اس لئے دنیا اور اس کی شوکت میری نگاہوں میں حقیر ہے لہذا نہ تو میں دنیا کی کسی نعمت پر مسرور ہوتا ہوں، نہ کسی مصیبت پر غم کرتا ہوں، نہ دنیا کی کسی حالت پر اعتماد رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ زندگی کو بھی ایک زوال پذیر سایہ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ جب میں دریا کے ساحل پر جال لیکر جاتا ہوں تو یہ نہیں جانتا کہ میں اپنے اوپر مچھلیاں لاد کر لاؤں گا یا لوگ میرا جنازہ لاد کر لائیں گے

یہ دنیا بحر زخار ہے اور لوگ تیرنے والی مچھلیوں کی مانند ہیں اور موت کی حالت ایک شکاری جیسی ہے جو روزانہ جال اٹھائے ہوئے دریا پر پھرتا ہے جس مچھلی کو چاہتا ہے پکڑ لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے، لیکن جو بچ گئی وہ محفوظ نہیں، آج نہیں تو کل اس کی باری ہے۔ پس میں دنیا کی متاع چند روزہ اور فنا ہونے والی دولت پر کیوں کر رشک کروں اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ میں چند روز کے لئے اس مہمان سرائے میں آیا ہوں اور یہاں سے مجھے بہر حال جانا ہے۔

میرا دوست کہتا ہے کہ شکاری کی یہ گفتگو سن کر اس کی عظمت میری نگاہ میں بڑھ گئی اور مجکو اس کی ذہانت و ذکاوت پر تعجب ہوا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجکو اس کی خوش نصیبی پر رشک آیا اور میں نے اس سے کہا۔ اے شیخ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ لوگ خوش نصیبی کے حاصل نہ ہونے پر روتے ہیں اور اسکی تلاش کرتے ہیں لیکن نہیں پاتے۔ اسلئے انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بدنصیبی بہر حال زندگی کے ساتھ ساتھ ہے۔

شکاری نے کہا۔ نہیں یہ غلط ہے۔ انسان فطرتاً خوش نصیب ہے لیکن وہ اپنی باتوں بدبختی کو مول لیتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان پر مال کی طمع شدت کے ساتھ غالب آجاتی ہے اس لئے اپنی موجودہ حالت اس کو ناگوار معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ ہمیشہ آہ و بکا کرتا رہتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے کہ اس دنیا میں اس کی جو امیدیں ہیں وہ پوری ہوں، لیکن جب یہ امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور اس کی تدبیریں خطا کرتی ہیں تو وہ جھنجھلا جاتا ہے اور ایک مظلوم کی طرح شکایت کرنے لگتا ہے، اسی طرح جب اسکا مال ضائع ہو جاتا ہے یا اولاد مر جاتی ہے تو وہ فریاد و زاری کرتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ

اس کی اُمید کے برخلاف ہوتا ہے لیکن اگر اس کو پہلے سے اس کا کامل یقین ہو کہ انسان کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ مستعار ہے اور ایک معین وقت کے لئے ہے تو کسی چیز کے ضائع جانے پر اس کو ذرا بھی رنج و ملال نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس کے لئے پہلے سے تیار پایا جائے گا، یہ تو انسان کی بڑی کمزوری ہے کہ وہ غلط توقعات قائم کرلیتا ہے اور جب یہ توقعات پوری نہیں ہوتیں تو فریاد کرتا ہے۔ انسان کی اکثر مصیبتیں اصلی و واقعی نہیں ہوتیں بلکہ اس کی اندرونی بد اخلاقی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، مثلاً ایک حاسد مزاج جب کسی خوش نصیب شخص کو دیکھتا ہے تو دل ہی دل میں کڑھتا ہے اور غمگین ہوتا ہے اسی طرح ایک کینہ ور جب انتقام سے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کو روحانی صدمہ ہوتا ہے یہی حالت ایک حریص و طماع کی ہوتی ہے کہ وہ اپنی امیدوں کے پامالی پر رنجیدہ ہوتا ہے، ایک شراب خوار کو افاقہ کے بعد تکلیف ہوتی ہے، ایک ظالم جفاکار، مظلوم کی بد دعائیں سن کر بے چین مضطرب ہوتا ہے، یہی حالت کذاب، چغلخور اور تمام گناہ گاروں کی ہے کہ وہ اپنے دل کی بدی اور گناہ کی بدولت اذیت اٹھاتے ہیں، پس جو شخص خوش نصیبی اور سچی مسرت کا طالب ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اس دولت کو اپنے نفس کے اندر تلاش کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو دنیا میں سب سے زیادہ بد نصیب ہے خواہ وہ آسمان و زمین کے تمام خزانوں کا مالک ہو۔

میرا دوست کہتا ہے کہ شکاری نے یہاں تک پہنچ کر اپنی گفتگو ختم کردی اور اپنا عصا لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور چلتے ہوئے کہا، میرے محترم میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور جو دعا اپنے لئے کرتا ہوں وہی آپ کے لئے، یعنی خدا آپ کو اصلی سعادت و خوش نصیبی عطا فرمائے، خدا حافظ

ج

بنیا

(جناب محمد عظمت اللہ خان صاحب بی۔ اے)

بنئے کے لفظ کے ساتھ ایسے خیالات گتھ سے گئے ہیں، کہ جہاں یہ لفظ کان میں پڑا یا نظر پڑا، اور ہمارے ظرافت کے رجحان میں کم از کم ایک ہلکی سی گدگداہٹ ہونے لگی۔ ہندوستان میں یوں تو بہت سی خصوصیت کی باتیں ہیں، لیکن خاص طور پر دو چیزیں یہاں ہندوستان میں ہیں جن کی نظیر اور کسی ملک میں نہیں ملتی۔ میووں میں آم اور پیشوں میں بنیا۔

آم اور بنئے دونوں میں ایسے نفسیاتی تار ہیں جو ہندوستانی انسان کے ہونٹوں سے ملے ہوئے ہیں۔ آم سے رال ٹپکنے اور بنئے سے مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے لطف یہ ہے کہ دونوں کا انسان کے پیٹ سے تعلق ہے۔ آم میوہ بھی ہے اور غذا بھی۔ بنیا خود تو غذا نہیں، البتہ اناج کا بیوپاری ضرور ہے۔ لیکن بنیا اور طرح آم پر سبقت لے جاتا ہے۔ آم کا ایک موسم ہوتا ہے، بنیا سدا بہار ہے یہ مماثلت آم اور بنئے میں بس یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ سماجی دائرہ میں، اور وہ بھی پیشہ وروں پر نظر ڈالی جائے، تو اس میں شک نہیں کہ بنئے اور دیگر پیشہ وروں میں ایک عام مشابہت چند امور میں ضرور نکل آئیگی، لیکن نظر غائر ڈالنے پر یہ بات روشن ہو گی کہ بنئے اور بیسوا کے پیشوں میں بہت باتیں ملتی جلتی ہیں، اور یہ ملتا جلتا پن محض سطحی نہیں بلکہ نہایت گہرائی تک پہنچتا ہے دنیا میں پیٹ اور پریم کی آگ ہی دو خواہشیں ہیں جن پر سارے تمدن کا انحصار ہے۔ اس بات کو منوانے کے لئے استدلال کی حاجت نہیں، اور ساتھ ہی اس کا تسلیم کر لینا بھی دشوار نہیں کہ بیسوا کے کسب کا سہارا اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ فہمیدہ اور سنجیدہ قارئین کرام اس سے ناواقف نہیں۔ بنیا دُکاندار ہے اور بیسوا بھی۔ ایک کے ہاں پیٹ کا دام و دانہ ہے تو دوسرے کے ہاں حسن و عشق کا پھندا۔ یہ دونوں جال ایسے ہیں کہ ان کا ساتھ جان کا ساتھ ہے۔ اچھا، اب اقتصادی پہلو سے دیکھئے۔ دونوں کو پیداوار سے تعلق نہیں، یعنی بنیا اناج کے دھندے سے مالا مال ہے، لیکن کھیت سے

چوستنے والے لیکن اس کا سرد کار نہیں، اس کی توند کب اس کڑی کو جھیل سکتی ہے؟ اسی طرح بیسوا جان کھیتی باڑی سے جلبِ منفعت کرتی اور مسرت اندوز ہوتی ہے، لیکن اولاد کے جھگڑے سے چراغ پا ہوتی ہے، زرپرستی اور عیش رانی کے راستہ میں وہ کب ان روڑوں کو اٹکنے دیتی ہے؛

دونوں سماجی جونکیں ہیں:- ایک کسان کی جان تک چوس لیتا ہے، تو وہ انسانوں کا رس نکال لیتی ہے۔ اس چوسنے کے سلسلہ میں انصافاً یہ کہنا پڑتا ہے کہ بنیا بیچارہ ایک منہ والی جونک ہے تو بیسوا دو موئی۔ اگر ترقی تمدن کے دوران میں کبھی بنیا اور بیسوا آپس میں سمجھوتہ کر کے مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کر دیں تو پھر نوعِ انسان کا خدا ہی حافظ ہے، مگر خیر شکر ہے کہ ہندوستان ابھی اس اقتصادی اتحاد سے کوسوں دور ہے۔

یہ تو بنئے کی پیشہ دری کا احوال تھا، اب بنئے کی شخصیت پر نظر ڈالئے۔ بنئے کے تصور میں سب سے پہلے جو چیز اُبھرتی ہے، وہ اس کی توند ہے۔ کوئی چیز ارتقار سے بچ نہیں سکتی، توند کی ارتقار ہندوستان میں غیر معمولی طور پر مختلف طبقوں میں ہوئی ہے۔ جب کبھی توند کی ارتقائی تاریخ لکھی جائیگی تو وہ ایک دلچسپ چیز ہوگی، اور دنیا کے ممالک میں ہندوستان نے اور ہندوستان میں بنئے کی ذات نے جو اس ارتقار میں حصہ لیا ہے وہ دنیا پر روشن ہوگا۔ توند نے دوران ارتقار اور مختلف طبقوں میں طرح طرح کے کینڈے اختیار کئے ہیں۔ امیرانہ توند بھی متوسط درجہ والوں کی توند سے الگ ہوتی ہے۔ رئیسانہ توند امیروں والی سے نہیں ملتی۔ بیوپاری توند نہ رئیسانہ توند سے لگا کھاتی ہے، نہ امیرانہ سے، متوسط درجے سے بھی اپنے آپ کو دور کھینچے رکھتی ہے۔ یہ توند کی قسمیں اقتصادی نقطۂ نظر سے ہوئیں۔ وضع قطع کے پہلو سے دیکھئے، تو یہاں بھی گوناگونی ہے۔ بعض توندیں مٹکا سی ہوتی ہیں، بعض تربوزی، کہیں گیند کی سی گولائی ہے، کہیں پہاڑ کی سی چڑھائی۔ کبھی کبھی ایسی توند بھی نظر آجاتی ہے جس کے اندر بچے کا گمان ہو۔ اس ناچیز راقم کے محدود مطالعہ میں ایسی بدگمانی پیدا کر دینے والی

توند اکا دُکا ہی آتی ہے۔ اگر واقعی ایسی توند کمیاب ہے، تو ظاہر ہے کہ اقتصاداً اس کی قدر وقیمت زیادہ ہونی چاہئے۔ بنئے کی توند میری رائے میں ایک جداگانہ نوع ہے وہ اہرامی ہوتی ہے۔ خصوصاً آلتی پالتی مار کر جس وقت لالہ جی اپنی گدی پر بیٹھتے ہیں، تو اِدھر اُدھر اچھے خاصے تربوز ابھر آتے ہیں، اور لالہ جی فراعنۂ مصر میں سے کسی ایک جیّد فرعون کا اہرام نظر آنے لگتے ہیں، اور اس ابھار اور دباؤ سے جو نالیاں اور جوف پڑ جاتے ہیں، ان میں حابس کے علاوہ ہمیشہ پسینہ کی تری رہتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قارئین کرام کے سامنے پیش کر دینی مناسب ہوگی، کہ بنیا گدی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہے اور گھٹنوں بیٹھتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ رہ رہ کر کبھی اس پہلو اور کبھی اُس پہلو پر ہاتھ ٹیک کر اس قدر کیوں جھکا کرتا ہے کہ سارا بوجھ ایک پہلو اور ہاتھ پر ٹک جاتا ہے۔ جن قارئین کرام کو تحقیق کا شوق ہو، وہ اس مسئلہ پر ایک محققانہ مضمون تحریر فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ توند اور بنیا اس قدر گتھے ہوئے تصورات ہیں کہ آپ یہ کلیہ قائم کر سکتے ہیں، کہ وہ بنیا ہی نہیں جس کے توند نہ ہو، مگر اس کا عکس۔ جس کے توند ہو، وہ بنیا۔ درست نہ ہوگا۔ غیر متعلق وال حضرات اس مغالطہ میں نہ پڑیں۔

بنئے کے تصور میں دوسری چیز اس کی دھوتی ہے ۔۔۔۔۔۔ یہ دھوتی دھوبی کی رہین منت نہیں ہوتی۔ میل اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے اسے ہمہ تن میل بنا دیتا ہے یہ دھوتی صفائی اور ستھرائی کے خلاف ہزارہا سال سے ایک زبردست احتجاج ہے، اور کفایت شعاری کی ایک روشن مثال۔ یہ دھوتی دکانداری کے لئے مخصوص اور باعث برکت تصور کی جاتی ہے، اور بس توند کی جڑ میں اس طرح رہتی ہے گویا ذرا سی کھونٹی پر برائے نام ٹنگی ہوئی ہے، اور اب گری اور جب گری، لیکن چڑھے پر توند کا جھکاؤ دھوتی کو حد سے آگے ڈھلکنے نہیں دیتا۔

بنئے کی تیسری خصوصیت اُس کی آواز بڑی کراری ہوتی ہے۔ اس کے کرارے پن پھٹکار اور پھیلاؤ پر بعض فوجی افسروں کو بھی رشک آئے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اس کی آواز موسیقی کے جملہ اتار چڑھاؤ پر حاوی ہوتی ہے۔ زبردست کے سامنے گھگھیانے والی، کوں کوں سے لے کر زیر دست، اور خصوصاً فرضدار پر،

جبرئیل کی سی کڑک تک جتنے شعبے ممکن ہیں۔ سب کے سب اس کی آواز کے پردے میں موجود ہوتے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ بنیا عورت کی طرح اپنی زبان کے زور کو سب میں بڑا زور خیال کرتا ہے۔ صدیوں سے اس نے جارحانہ ہتھیاریوں سے ہاتھ اٹھا لیا ہے وہ اس قسم کے ہتھیاروں کا مقابلہ ہمیشہ اس اصول پر کرتا رہا ہے۔ "زور کے آگے جھک جاؤ" اور جھکو بھی اس قدر کہ زور والے کا سارا زور صرف ہو جائے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بھی لڑائی کا ایک اصول ہے، اور اسی پر ہندوستانی کشتی اور جاپانی جیو جتسو کے داؤ پیچ اور افواج کی شاندار پسپائی کا دارومدار ہے۔ یہ اصول صنف نازک کی فطرت کی بنیاد ہے۔ چوتی والی دنیا کا یہی عمل ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ مسہری کے اکھاڑے، دولت خانہ، یا اور جہاں جہاں ساڑی یا سایہ کو دخل ہے، وہاں ان کو اس اصول کی بدولت غلبہ نہیں؟ بنئے نے اپنی ماں کے اس اصول خاص طور پر توجہ کی اور اپنی سعادتمندی سے اُسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ صدیوں کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اٹھوائی کھٹوائی کا اصول اس کی فطرت ثانیہ ہو گیا ہے، اور اس نے ثابت کر دیا ہے کہ صرف تلوار چلانے والے ہی "موزوں ترین" نہیں ہیں، زندگی کے رن میں جھکنے والے بھی اتنے زور آور ہو سکتے ہیں کہ جھکانے والوں پر آخر میں چلا ور رہیں۔

یہ ہے بنیاد بنئے پن کی اور یہ بنئے کی چوتھی اور اساسی خصوصیت ہے۔ اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جسے لوگ بنیا پن کہتے ہیں، اُس کی بنیاد بھی ایک فلسفہ پر ہے۔ آپ کا جی چاہے اسے بزدلی کا لقب دیجئے، لیکن اگر اس بنئے پن کے باوجود بھی بنئے نے اپنے آپ کو مٹنے ہی نہیں دیا بلکہ اقتصادی نقطۂ نظر سے کسانوں کو اپنے شکنجہ میں رکھا، ثروت کی قوت سے اس قدر چین حاصل کیا، کہ توند کی ارتقا میں کمی نہیں ہونے پائی، تو کیا بنئے کو "بقائے موزوں ترین" کی روشنی میں آپ ایک زبردست ہستی تسلیم نہ کریں گے؟

خیر، مجھے اس سے بحث نہیں کہ آپ بنئے کو ایک زبردست ہستی تسلیم کریں یا نہ کریں، مجھے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ میرے ذہن میں بنئے کا تصور کیا تھا۔ یعنی ایک ایسی ہستی جو بیشتر توند ہے، توند کے نیچے ایک مجسم

میلی دھوتی یونہی سی لنگی ہوئی؛ دکان میں وہ خاص بُو جو سونگھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں ہینگ کی مہکار اور مرچوں کی دھانس شامل ہوتی ہے؛ آواز کراری کراری کبھی کڑکتی کبھی گھلو میٹھو کرتی' بنیاپن پھولے پھولے گالوں اور بھینگی بھینگی آنکھوں سے ٹپکتا ہوا۔ مارتے خاں کے آگے روئی کا ڈھیر' دبے کے اوپر سکھنا ہاتھ' روپیہ کے پیچھے نہ تن کا ہوش' نہ بدن کا۔ یہ مختصراً تصور تھا بنئے کا جو اس ناچیز کے ذہن نشین تھا۔ اب آپ خیال فرمائیں' اس تصور کے ہوتے کبھی یہ خواب میں بھی خیال آسکتا تھا کہ بنئے کا شاعری سے اور شاعری بھی عرفان کی سطح اعلیٰ سے کوئی لگاؤ ہو سکے گا؛ کلام کبیر کا ایک انتخاب پڑھ رہا تھا' اور اس شعر پر پہنچا۔

سائیں میرا بانیا، سہج کرے بیوپار
بن ڈانڈی' بن پالرا، تول کرے سنسار

تو میرے بنئے کے تصور اور اس تشبیہ میں جو خطرناک تصادم ہوا' اس کا اندازہ وہی قارئین کرام کر سکتے ہیں جن کے دماغ میں راقم کا سا بنئے کا تصور مرتسم ہو' اور انہوں نے اب پہلی دفعہ اوپر والے شعر کو پڑھا ہو۔ سائیں میرا بانیا' بنئے کو دیکھئے اور یہ مصرع! جی نہیں مانتا کہ اس تشبیہ کو تسلیم کیجئے۔ کس طرح بنئے کی بے ڈھنگی' بے قابو توند؛ اس کی میلی چکٹ سی دھوتی' اس کے بنئے پن کو سائیں بنئے والے تصور سے مٹایا جائے؛ خیال ہوا اس سے بہتر کوئی اور تشبیہ اللہ میاں کے لئے ڈھونڈنی چاہئے' لیکن کبیر عام لوگوں کا شاعر تھا' اس کی شاعری کروڑوں اَن پڑھ لوگوں کے لئے تھی۔ وہ کسی خاص تعلیم یافتہ طبقہ کا شاعر نہ تھا۔ ایک ایک جھونپڑی میں' جہاں ہندوستانی بولی اور سمجھی جاتی ہے' کبیر کے شبد اور دوہے بپتا میں غمگسار اور ہمدرد' شانتی میں دوست' سچ میں رہبر اور سچ کی جستجو میں چراغ ہدایت ہیں۔ ایسے شاعر کی تشبیہیں جس کی پہنچ جھونپڑی' کھیت اور دکان تک ہو' ایسی ہی ہونی چاہیئے' جو ایسے لوگوں کے دلوں میں گھر کریں اور ان کے تخیل کے پردہ پر تصویر سی کھینچ دیں

جرنیل کی سی کرّوفر تک جتنے شعبے ممکن ہیں۔ سب کے سب اس کی آواز کے پردے میں موجود ہوتے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ بنیا عورت کی طرح اپنی زبان کے زور کو سب میں بڑا زور نمایاں کرتا ہے۔ صدیوں سے اس نے جارحانہ ہتھیاروں سے ہاتھ اٹھا لیا ہے وہ اس قسم کے ہتھیاروں کا مقابلہ ہمیشہ اس اصول پر کرتا رہا ہے ؛ "زور کے آگے جھک جاؤ" اور جھکو بھی اس قدر کہ زور والے کا سارا زور صرف ہو جائے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بھی لڑائی کا ایک اصول ہے' اور اسی پر ہندوستانی کشتی اور جاپانی جیؤ جِتسو کے داؤ پیچ اور افواج کی شاندار پسپائی کا دارومدار ہے۔ یہ اصول صنف نازک کی فطرت کی بنیاد ہے۔ چوٹی والی دنیا کا یہی عمل ہے' اور کون کہہ سکتا ہے کہ مسہری کے اکھاڑے' دولت خانہ' یا اور جہاں جہاں ساڑی یا سایہ کو دخل ہے' وہاں ان کو اس اصول کی بدولت غلبہ نہیں ! بنئے نے اپنی ماں کے اس اصول خاص طور پر توجہ کی اور اپنی سعادتمندی سے اُسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ صدیوں کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اٹھوائی کھٹوائی کا اصول اس کی فطرتِ ثانیہ ہو گیا ہے' اور اس نے ثابت کر دیا ہے کہ صرف تلوار چلانے والے ہی "موزوں ترین" نہیں ہیں' زندگی کے رَن میں جھکنے والے بھی اتنے زور آور ہو سکتے ہیں کہ جھکانے والوں پر آخر میں چلا ور رہیں۔

یہ ہے بنیاد بنئے پن کی اور یہ بنئے کی چوتھی اور اساسی خصوصیت ہے۔ اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جسے لوگ بنیا پن کہتے ہیں' اُس کی بنیاد ہی ایک فلسفہ پر ہے۔ آپ کا جی چاہے اسے بزدلی کا لقب دیجئے' لیکن اگر اس "بنئے پن" کے باوجود بھی بنئے نے اپنے آپ کو مٹنے ہی نہیں دیا بلکہ اقتصادی نقطۂ نظر سے کسانوں کو اپنے شکنجہ میں رکھا' ثروت کی قوت سے اس قدر چین حاصل کیا' کہ توند کی ارتقا میں کمی نہیں ہونے پائی' تو کیا بنئے کو "بقائے موزوں ترین" کی روشنی میں آپ ایک زبردست ہستی تسلیم نہ کریں گے ؟

خیر' مجھے اس سے بحث نہیں کہ آپ بنئے کو ایک زبردست ہستی تسلیم کریں یا نہ کریں' مجھے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ میرے ذہن میں بنئے کا تصور کیا تھا۔ یعنی ایک ایسی ہستی جو بیشتر توند ہے' توند کے نیچے ایک مجسم

میلی دھوتی یونہی سی نکلی ہوئی؛ دکان میں وہ خاص بُو جو سونگھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں ہینگ کی مہکار اور مرچوں کی دھانس شامل ہوتی ہے؛ آواز کراری کراری کبھی کڑکتی کبھی گھلاوٹ کرتی، بنیا پن پھولے پھولے گالوں اور بھینگی بھینگی آنکھوں سے ٹپکتا ہوا۔ مارتے خون کے آگے روئی کا ڈھیر، دبے کے اوپر سکھنا ہاتھ؛ روپیہ کے پیچھے نہ تن کا ہوش، نہ بدن کا — یہ مختصراً تصور تھا بنئے کا جو اس ناچیز کے ذہن نشین تھا۔ اب آپ خیال فرمائیں، اس تصور کے ہوتے کبھی یہ خواب میں بھی خیال آسکتا تھا کہ بنئے کا شاعری سے اور شاعری میں بھی عرفان کی سطح اعلیٰ سے کوئی لگاؤ ہوسکے گا؛ کلامِ کبیر کا ایک انتخاب پڑھ رہا تھا، اور اس شعر پر پہنچا۔

سائیں میرا بانیا، سہج کرے بیوپار
بن ڈانڈی، بن پالڑا، تول کرے سنسار

تو میرے بنئے کے تصور اور اس تشبیہ میں جو خطرناک تصادم ہوا، اس کا اندازہ وہی قارئین کرام کرسکتے ہیں جن کے دماغ میں راقم کا سا بنئے کا تصور مرتسم ہو؛ اور انہوں نے اب پہلی دفعہ اوپر والے شعر کو پڑھا ہو۔ سائیں میرا بانیا، بنئے کو دیکھئے اور یہ شعر! جی نہیں مانتا کہ اس تشبیہ کو تسلیم کیجئے۔ کس طرح بنئے کی بے ڈھنگی، بے قابو توند، اس کی میلی چیکٹ سی دھوتی، اس کے بنئے پن کو اپنے بنئے والے تصور سے مٹایا جائے؟ خیال ہوا اس سے بہتر کوئی اور تشبیہ اللہ میاں کے لئے ڈھونڈنی چاہئے، لیکن کبیر عام لوگوں کا شاعر تھا، اس کی شاعری کروڑوں ان پڑھ لوگوں کے لئے تھی۔ وہ کسی خاص تعلیم یافتہ طبقہ کا شاعر نہ تھا۔ ایک ایک جھونپڑی میں، جہاں ہندوستانی بولی اور سمجھی جاتی ہے، کبیر کے شبد اور دوہے بپتا میں غمگسار اور ہمدرد، شانتی میں دوست، سوجھ میں رہبر اور سچ کی جستجو میں چراغ ہدایت ہیں۔ ایسے شاعر کی تشبیہیں جس کی پہنچ جھونپڑی، کھیت اور دکان تک ہو، ایسی ہی ہونی چاہئے، جو ایسے لوگوں کے دلوں میں گھر کریں اور ان کے تخیل کے پردہ پر تصویر سی کھینچ دیں

سائیں میرا بانیا! ایسی تشبیہ ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی۔

ایک ایسا بنیا تصور کیجئے جس کی صورت شکل سے آٹے کی طرح نور اُڑ رہا ہو، جس کے تن بدن سے محبت کا گڑ ٹپکے، جس کی نظر انصاف کی ترازو ہو، اور جس کی جگ پھیلی، تاروں بھری دکان سے رزق کا بیوپار جاری ہے اور ہر ایک کو اتنا ہی دیا جاتا ہے، جتنے کا وہ مستحق ہے، تو آپ مان لیں گے کہ اس سے بہتر تشبیہ نہیں ہو سکتی، نہ صرف عامۃ الناس کے لئے، بلکہ میں یہ بھی تسلیم کرا لینا چاہتا ہوں کہ اونچے طبقوں کے لئے بھی کوئی اور تشبیہ اس سے بہتر نہیں۔ تشبیہ کی لطافت اور زندہ پن اور یہ صلاحیت کہ اُس سے تخیل کے پردہ پر تصویر کھنچ جائے، اعلیٰ ترین شاعری کی پہچان ہے، مگر بڑے شاعر کی ایک اور بھی پہچان ہے، اس کا تخیل زندگی کی جس چیز کو وہ کیسی ہی پامال کیوں نہ ہو۔ چھوتا ہے، تو اس کو کندن بنا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ایسے خیالات کو گوندھ سا دیتا ہے، کہ اس معمولی شے میں بھی اصلیت کی روشنی اور فلسفہ کی گہرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور عالمگیر سچائی دمکنے لگتی ہے۔

بنئے کو دیکھئے، کہ اس کا عام تصور کس قدر گرا ہوا اور میرے تصور کے لگ بھگ ہے۔ لیکن کبیر نے اس شعر میں بنئے کو کیا سے کیا کر دیا! زمین سے اُٹھا آسمان پر بٹھا دیا۔ صرف ایک نکتہ کی طرف عام فہم الفاظ میں اشارہ کر کے "سہج کرے بیوپار" اس کائنات کی دکان کے چلنے کا یہ بڑا گر سمجھا دیا کہ اس کائنات کے ہر ذرّے میں روحانی قوت اور اخلاقی اصول مضمر ہیں اور حالانکہ وہاں "نہ ڈانڈی ہے نہ پالڑا"، مگر کائنات کا جو عمل ہے، جچا تُلا، جو کاروبار ہے انصاف میں ڈوبا ہوا، ایک رتی کا بل نہیں، ایک چاول کے دانہ کے برابر ہیر پھیر نہیں۔ عام بنیا بٹ اور ترازو سے تو تُلا تا لتا ہے، لیکن سائیں بانیا سنسار بھر کا بیوپار بن تولے تُلا تُلایا اور بن ناپے ناپا ناپایا کرتا ہے۔

بدقسمتی سے اُردو ادبی دنیا میں شاعری کا یہ بڑا کھو گیا ہے کہ نری لفاظی ہی لفاظی شاعری کی جان سمجھی جانے لگی ہے۔ ہماری شاعری ایک چیتھڑوں کی گڑیا سی ہے جس کو جھم جھم کی جھوٹے مسالہ والی کترنیں سی سلا کر

پہنا دی گئی ہیں۔ پوتھا اور شیشہ کا زیور ہے، خدوخال، ناشائستہ جیسی ہمارے ہاں گڑیاں بنتی ہیں، وہ ظاہر ہے، ایک لمبا سا سیاہ دھاگا آنکھ ناک اور بھوؤں کی علامت ہوتی ہے، ایک سرخ تاگے کا ٹونا ہونٹ ہے۔ ڈیل ڈول میں سے تناسب بننے کے تن دنوں کی طرح غائب ہوتا ہے۔ ... وشعرا اس قسم کی گڑیاں کھیلتے ہیں۔ اصلیت کی بو سے بھاگتے ہیں اور زندگی کی لہراتی ندی سے جان چراتے ہیں۔ شاعر کی قادر الکلامی کے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ توڑ مروڑ کر الفاظ کی ایسی نرالی، نامانوس اور بے ضرورت ترکیبیں نکالی جائیں کہ شاعری عام لوگوں سے کالے کوسوں دور جا پڑے اور اس میں اصلی زندگی کی چھینٹ بھی نہ پڑے، ایک مخصوص طبقہ سمجھے یا بے سمجھے اس قسم کے اشعار کے مزے لے، اور رسالوں میں پورے پھیپھڑوں کے زور کے ساتھ داد دے۔ اس لئے کہ اب مشاعروں کی جگہ رسالوں نے لے لی ہے۔

قادر الکلامی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ گہرے سے گہرے، بلند سے بلند مضمون کو سیدھے سادے الفاظ میں ادا کیا جائے، اور اس کی بہترین مثال کبیر کا کلام ہے۔ اس بنئے والے شعر کے ساتھ دوسرا شعر پڑھیے:

سائیں میرا بانیا، سہج کرے بیوپار
بن ڈانڈی، بن پالڑا، تول کرے سنسار
سائیں! تجھ سے باہرا کوڑی بھی نا بکائے
جاکے سر پہ تو دھنی، لاکھوں مول کرائے

تو آپ اس ان پڑھ شاعر کی قادر الکلامی کے قائل ہونگے۔ اس سے زیادہ دل میں بیٹھ جانے والا خیال اور اس سے زیادہ سادی زبان جو محلوں اور جھونپڑوں دونوں جگہ دل میں اتر جائے، ممکن نہیں۔ لیکن زبان تو بیشتر شاعر کے خیالات ادا کرنے کا آلہ ہے، شاعر کے لئے بڑی ضروری چیز سوچ ہے۔ زندگی کی منجدھار میں جو اثرات اُس کے قلب پر ہوتے ہیں۔ اُن پر سوچ بچار کر کے بات کی اس تہ کو پہنچے جہاں اوروں کی نظر نہ پہنچی ہو،

اور اس سوچ بچار سے جو نفسی کیفیت وہ اپنے میں محسوس کرے، اُن کو ایسی زبان میں ادا کر دے، کہ اُس زبان کے بولنے والے "امیر و غریب" پڑھے لکھے اَن پڑھ، "چھوٹے بڑے" اُن کیفیتوں سے متاثر ہوں۔ یہ کمالِ شاعری ہے، قدیم یا جدید فلسفہ یا تصوف کی کتابوں سے مضامین کا اُڑا لینا اور ان کو غیر مانوس زبان میں ادا کر دینا، شاعری کی ایک قسم، یعنی تک بندی ضرور ہے، لیکن وہ شاعری نہیں جو عامۃ الناس کے دلوں کو گرما دے اُن کے دماغوں کو سوچ پر لگا دے، اور ان کی روزمرہ کی ظاہرا بے معنی سی زندگی کو معنی خیز بنا دے۔ یہ شاعرانہ کمال کبیر میں ہے اور جب سے سائیں میرا "بانیا" والی تشبیہ نے اثر کیا ہے میرا "بنیے" والا پہلا تصور جو ظرافت کی ترنگ میں بنیے کے پست اور حقیر اور سفلی پہلو پر مبنی تھا، وہ زیادہ وسیع اور زیادہ پُر معنی ہو گیا ہے۔ پہلے کے تصور میں حقارت کی جھلک تھی، اب بھی اسمیں ظرافت کا پہلو جوں کا توں موجود ہے، یعنی یہ لطفناو! رزّاقِ حقیقی اور لالہ توندل مل سے تشبیہ! لیکن اب میرے تصور والے ظرافت کے پہلو میں حقارت کا نام کو لگاؤ باقی نہیں۔ اس شعر پر جوں جوں غور کیا، ایک لطیف احساس پیدا ہوتا گیا، کہ ہم جس ازسرتاپا توند ہستی کی ہنسی اُڑاتے ہیں، جسے حقیر اور پست سمجھتے ہیں، اسی ہستی پر کسی اور وسیع تر پہلو سے نظر ڈالی جائے، تو اُس ہستی میں بھی ایسی بات نکل سکتی ہے، کہ اس سے خالقِ کائنات کا تصور پیدا ہو سکے۔ جو شاعر اس طرح انسان کے معمولی تصورات کو ایک چھبتی جیتی جاگتی تشبیہ سے ارفع اور اعلیٰ کر دے، اس کے بڑے شاعر ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے! میرے "بنیے" کے تصور میں ظرافت کا رنگ اب بھی باقی ہے لیکن حقارت کی آلایش سے پاک، اور ایسی ظرافت وہ لطیف شے ہے جو انسان کے دل میں ایک طرف چٹکیاں لیتی اور گدگداتی ہے، تو دوسری طرف اصلیت اور سچائی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ بنیے کی توند، نانڈ کی تونڈ، اس کی دھوتی، میلی کی سیٹھ، اس کا بنیا پن، وہ کا دھتی ہے۔ آپ اس کی توند پر ہنس سکتے ہیں اس کی میلی میں ڈوبی دھوتی پر قہقہہ لگا سکتے ہیں،

اس کے بنیادی اصول "اچھوتی" جانے پائیں دمڑی نہ جائے اس کے اصولوں پر لطیفے اڑا سکتے ہیں لیکن اگر اس کا بیوپار جیتا ہے اُس کا لین دین، تول مول ٹھیک ٹھاک ہے تو آپ نظرِ حقارت سے اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اس میں سائیں کی جھلک ہوتی ضرور ہے۔ اور جہاں سائیں کی جھلک ہو اس کا احترام سرشتِ انسانی آپ کرتی ہے۔

نوابِ فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل جانشین حضرت امیر مینائیؒ

پروا نہیں اگر نہ ملے رہنما مجھے
ہے شمعِ راہ گرمیٔ آہِ رسا مجھے

اکسیر ہو گئی تری تیغِ جفا مجھے
اتری اِدھر گلے سے اُدھر ہی شفا مجھے

آیا تھا کون گریہ کناں کوئے یار میں
ٹکڑے دل و جگر کے ملے جابجا مجھے

غش آ گیا ہے اُس رخِ نازک کو دیکھکر
دے اے نسیم دامنِ گل کی ہوا مجھے

حیران ہوں کہ اس کو ستم یا کرم کہوں
وہ ذبح کرکے پیار سے دیکھا کیا مجھے

چتون سے میں نے جان لیا تھا نہیں مگر
حسنِ نظر فریب نے دھوکا دیا مجھے

کرتا ہے سب کا خون یہی تیر نگاہِ ناز
اور یہ بھی چاہتا ہے کہیں بے خطا مجھے

واماندگی سے پا نہ سکا قافلے کو میں
تھک تھک گئی پکار کے بانگِ درا مجھے

بزمِ شراب ہو گئی برخاست اور میں
کہتا رہا ہی کہ مجھے ساقیا مجھے

جز بیخودی گذر نہیں کوئے حبیب میں
جب ہو گیا میں گم تو ملا راستا مجھے

جوشِ بہار و بادہ ہے مستوں کا شور ہے
توبہ پکارتی ہے الٰہی بچا مجھے

یہ بھی بہت ہے خون کی قیمت کہ سب حسین
کرتے ہیں یاد کہکے شہیدِ وفا مجھے

او تیغ زن ترے کفِ رنگین کے میں نثار
ہر زخمِ دل سے آتی ہے بوئے حنا مجھے

پھر توبہ ٹوٹنے کے ہیں آثار اے جلیل
آ آ کے پھر ابھار رہی ہے گھٹا مجھے

مرقع عبرت

یا

ایک عیاش کی ڈائری

اجتماع ضدین ہیں حسن اور پارسائی دولت اور نکوکاری۔ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ وہ ہستی جو حسین ہو کر پارسا رہے۔ اور صاحب دولت ہو کر صراط مستقیم سے لغزش نہ کرے کسی بدصورت اور مفلس کا پارسا ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ لازم اور ملزوم کا فلسفہ اس کا ذمہ دار ہے۔ شباب۔ جذبات کا تلاطم جب اپنے مطالبات پیش کرتا ہے تو بڑے بڑے دوربین اور عاقبت اندیش دل سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیوں؟

اس لئے کہ نا عاقبت اندیش مسلمان۔ مذہب۔ اخلاق۔ تہذیب تمدن اور معاشرت کے زرین اصولوں سے ناواقف۔ اسلام کی مقدس تعلیم سے بے خبر ایک ایسی مضرت رساں معاشرت کے عادی ہو گئے ہیں کہ آج اُن کی دینی اور دنیاوی تباہیاں اُن سے انتقام لے رہی ہیں۔ مگر اس کے باوجود مسلمان عام اس کے کہ وہ صاحب دولت ہوں یا گم کردہ افلاس۔ ان مشاہدات سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ ہمارے علماء اور مشایخ۔ امت محمدیہ کی شکستہ کشتی کے ناخدا۔ جاہ طلبی دولت پرستی۔ اور نام نمود کے شیدائی اپنے فرائض اور احساس سے نظریں پھیر چکے ہیں۔ ہمارے رہنما گردہ راہ میں۔ سلطنت۔ حکومت۔ سوراج۔ وغیرہ کی طلب میں وہ اپنی مساعی بے سود کھو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے اتنے ضروری نہیں جتنی مذہبی اور اخلاقی تعلیم۔

انسان کے لئے دولت وزینت ایک بڑی تباہی ہے۔ اگر انسان مذہب پرست اور صاحب اخلاق و آداب نہ ہو۔ حرام و حلال کی دستوں سے بے خبر دولت پرست طبقہ یہ دولت اپنے پس ماندگان کیلئے چھوڑ کر یقیناً ان کی دینی اور دنیاوی مسرتوں کو تباہ اور پامال کرتا ہے۔ دولت کے آغوش میں پلکر جوان ہونے والے

مذہب کی مقدس تعلیم سے بیخبر- جب اپنے شباب کے مطالبات سے مجبور ہو جاتے ہیں- تو گمراہی کی طرف پہلا قدم اٹھانے میں جو چیز انکو مدد دیتی ہے وہ یہی دولت ہوتی ہے- بہت سے آوارہ گرد، اوباش اور خصوصاً وہ رئیس زادے جو خود اپنی بدکاریوں کی بدولت اپنے آباو اجداد کی دولت کو اور خاندانی وقار کو برباد کر چکتے ہیں دوسرے نوعمر اور معصوم بچوں کی تباہی کے ضامن بن جاتے ہیں- اور یہ مرض متعدی اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ کسی طرح اس کا سدباب ہوتا نظر نہیں آتا- اور قوم اور ملک کی بنیادیں اس گروہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہی ہیں-

یہ ایک مستند کلیہ ہے کہ ہر عمل خواہ وہ نیک ہو یا بد- ارادے کا محکوم ہوتا ہے ہر ارادہ ناقص ہے اگر اعمال کا جامہ نہ پہن لے- ہر عمل ظاہر ہونے سے پہلے ارادے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ خیالات کی اصلاح کو اعمال کی اصلاح سے مقدم اور لابدی سمجھا جائے-

ملت اور حکومت- غرض تمام دنیادی تعلقات وابستہ ہیں اعمال سے- مگر جو چیز مقدم ہے وہ مذہب ہے- اس لئے کہ مذہب ہی ایسا مصلح ہے جو انسان کے خیالات پر قابض ہے- یہ صلاحیت صرف مذہب ہی پیدا کر سکتا ہے کہ انسان کے خیالات اور ارادے تقدس اور پاکیزگی سے لبریز ہوں- آیئے اب ہم چشم بصیرت سے گم کردۂ مذہب عبرت کے واقعات زیست پر ایک غائر نظر ڈالکر دیکھیں کہ ایک انسانی زندگی کس حد تک دوسری زندگیوں کی تباہی اور بربادی کی ضامن ہے- عالم ایجاد میں غالباً کوئی ایسی جنس نہیں جو روز افزوں ترقی سے محروم ہو یا جس کی نشو ونما محدود ہو- ہمارے اعمال بھی درحقیقت دوسری پیداوار کی طرح روز افزوں ہیں- اگر ہم آج ایک برا کام کریں تو ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اعمال ہماری ذات تک محدود ہیں- نہیں عالم وجود میں آنے کے بعد یہی اعمال دوسری صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں- اور ان کے اثرات بہت سی دوسری ہستیوں تک پہنچکر ان کو گمراہ اور برباد کرتے ہیں-

"عبرت" مردانہ حسن وجمال کی مکمل تصویر- رعنائی وزیبائی کا متحیر مجسمہ شباب کی ابتدائی منزلوں میں دنیا کے نشیب وفراز سے ناواقف- ایک دولتمند تاجر کا

تنہا نو نظرے شمار دولت کا مالک اپنے والد کے انتقال کے بعد ایک ایسی قسم کی خراب اخلاق سوسائٹی میں پڑ گیا۔ اور پہلی تعلیم جو اُسے ملی وہ یہ تھی کہ ؎

جو حسینوں میں نہ ہو صرف وہ دولت کیا ہے

عبرت پہلے تو ان بے تکلف جلیسوں کی باتوں سے گھبرایا۔ مگر رفتہ رفتہ اُسکے خیالات پر شباب کے مطالبات کے ساتھ ساتھ حسن پرستی بھی قابض ہونے لگی۔ اور آخر ایک دن ایسا آیا کہ یاران طریقت نے اُسے محمودہ جان طوائف کے کوٹھے پر پہنچا دیا۔ (باقی آئندہ)

سوانح عمری مولانا روم از حضرت شبلی نعمانی۔ اس میں حضرت مولانا روم کے مفصل سوانح عمری ہے۔ مثنوی شریف اور مولانا کی دیگر تصنیفات پر نہایت قابلانہ تبصرہ کیا گیا ہے قیمت عہر رعایتی ۱۲ار

مثنوی عقد گوہر یعنی موتیوں کا ہار ۔ مثنوی مولانا روم علیہ الرحمتہ کی حکایتوں کا سلیس اُردو نظم میں ترجمہ جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم اے۔ سی۔ آئی۔ ای سابق سشن جج کے قلم حقیقت رقم سے جو عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کیلئے یکساں مفید ہے پیرایہ ایسا دلکش کہ پڑھنے سے دل نہ اکتائے لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ چکنا ضخامت ۲۶۰ قیمت اصل عہر رعایتی ۱۲ار

دولہن کی ڈائری میاں بیوی۔ عورت مرد۔ دولہا دولہن کتابیں جو دولہن کی ڈائری سے پہلے شائع ہو چکی ہیں وہ دولہن کے ڈائری کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ دلہن کی ڈائری زن و شوہر کی زندگی کا نہایت پاکیزہ اور نفیس مرقع ہے۔ قیمت اصل عہر رعایتی ۱۵ار

شاہ افغانستان کی سوانح عمری

حیات نادر۔ جنرل نادر خاں کے ابتدائی حالات۔ امیر حبیب اللہ خاں کا قتل جنرل نادر خاں۔ کی گرفتاری اور رہائی۔ ۱۹۱۹ء کی انگریزی افغانی جنگ کی کیفیت جنرل نادر خاں اور امیر امان اللہ خان کے تعلقات جنگ افغانستان کے ڈائری تعا دیر اور متعدد مقامات کے فوٹو اور نقشے کتاب کے ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت اصل عہ رعایتی ۱۵ار

انتخاب رسائل

جناب برق دہلوی

داغ الفت سے اُجالا خانۂ دل میں رہے ‏ روشنی اس شمع کی تاریک منزل میں رہے
بیخودی میں کہہ دیا ہے آپ نے راز نہاں ‏ آپ کے منہ تک رہے یہ آپکے دل میں رہے
دہر کی نیرنگیاں ہیں اک طلسم دلفریب ‏ پھنس گئے جو کیفیت وہ پہلی ہی منزل میں رہے
رہ گئے اُفتان وخیزان مثل گرد کارواں ‏ ہمسے واماندہ جو فکر بعد منزل میں رہے
اشک ریزی اسکی فطرت سے بدل سکتی نہیں ‏ قبر بیکس پر رہے یا شمع محفل میں رہے

جناب بیتاب بریلوی

کیا ہو دل نذر ناز تونے تو پیکر صد نیاز ہو جا ‏ سر حقیقت کی جستجو میں غریق رنگ مجاز ہو جا
نہ کچھ عبادت سے ہوگا حاصل نہ مل ریاضت سے ہوگی مشکل ‏ نقوش وہم خودی مٹا کر تو آپ کشاف راز ہو جا
جو ہے طلسم وجود عالم شکست اسکی ہے فتح تیری ‏ فنا ہو کل میں مثال قطرہ نیاز میں صرف ناز ہو جا
کسی کی فرقت میں بس رہی ہے تری تصور سے میری دنیا ‏ بڑا مزا انتظار میں ہے شب قیامت دراز ہو جا

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق

کہاں کی ناصیہ سائی کہاں کی آستاں بوسی ‏ دہی ہے خانۂ حق بیٹھ کر سجدہ جہاں کر لیں
محال ضبط بھی تو اب جواب صاف دیتی ہے ‏ اڑا جاتا ہے رنگ رخ اسے کیونکر نہاں کر لیں

جناب منور لکھنوی

اگرچہ ایک ہے دنیا و دین کا حال مگر ‏ ادھر کی آب ہوا کچھ اُدھر سے اچھی ہے
کسی کے ذکر سے کیفیت دل بیمار ‏ خراب گو ہے مگر پیشتر سے اچھی ہے

بابو ہرگوبند دیال صاحب نشتر۔ وکیل

راہ وفا میں لطف تو جب ہے کہ یوں چلیں ‏ میں آپ کا دل آپ مرا دل لئے ہوئے
انسان کو چاہئے کہ نہ حد سے کبھی بڑھے ‏ بہتی ہیں ندیاں بھی تو ساحل لئے ہوئے
مشکل کشا سے کیوں نہ کرے اپنی التجا ‏ دنیا میں کیوں پھرے کوئی مشکل لئے ہوئے

(از زمانہ کانپور)

لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی

اُسکے آگے جو بے ادائی سے ہے — انتہائے ادا شناسی ہے

بیخودی ہستی سے ہے باخبر غافل — خود شناسی خدا شناسی ہے

زندگی اور کوئے قاتل میں — یہ زمیں تو لہو کی پیاسی ہے

ٹوٹ جائے تری نگہ سے اگر — آئینہ کی ادا شناسی ہے

مرکے بھی احتیاج خلعت تو — اب بھی ارمان خوش لباسی ہے

مولانا حکیم آزاد صاحب انصاری سہارنپوری

ہر ذرہ پرستش کے قابل نظر آتا ہے — ہر قطرہ سمندر کا حامل نظر آتا ہے

اب وصل ہو یا فرقت دل شاد نظر آتا — اب حوصلۂ الفت کامل نظر آتا ہے

دل ایک زمانے سے مفتوں ہے مگر کس پر — جو ایک زمانے کا قاتل نظر آتا ہے

یہ راز نہیں کھلتا میں تجھ سے جدا کیوں ہوں — جو قطرہ ہے دریا سے واصل نظر آتا ہے

اب دل میں ہے میں اسکو با دیدۂ دل دیکھوں — یوں اس کا نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

بس اب کوئی ساعت میں لیلےٰ بھی نظر آئی — ناقہ نظر آتا ہے محمل نظر آتا ہے

آزاد کبھی پہلے آزاد ہو ممکن ہے — اب تو ترے بندوں میں داخل نظر آتا ہے

سید محمد کاظم علی صاحب شائق سبزپوش گورکھپوری

پرتو ہے ترا ہر جا اے جلوۂ جانانہ — دنیا کی نگاہوں میں کعبہ ہے نہ بت خانہ

تم اس میں چلے آؤ سب کچھ ہے اسی دل میں — بستی کی یہ بستی ہے ویرانہ کا ویرانہ

دل نے نہ سنی میری گو لاکھ کہا میں نے — سمجھا نہ سکا ہرگز دیوانے کو دیوانہ

مشتاق ہوں رویت کا اتنا تو کرم کر دے — آنکھوں میں ذرا آجائے جلوۂ جانانہ

لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی

رنگ کیا کیا شام کو لائیں گے آنے کیلئے — صبح سے بیٹھے ہیں جو مہندی لگانے کیلئے

نجد میں اٹھ اٹھ کے آجاتے ہیں اکثر گردباد — میری اجڑی گور پر بھی خاک اڑانے کیلئے

حشر کا دن وعدہ کس کا کون کرتا ہے وفا — تھیں یہ باتیں مجکو دیوانہ بنانے کیلئے

نزع کس کی موت کیسی اب مرے دشمن مریں — پاس آ بیٹھے ہیں وہ باتیں بنانے کیلئے

کوثر و تسنیم و حور و خلد کے ہوتے ہوئے — جائیں گے ہم آگ دوزخ میں لگانے کیلئے

آستانِ یار سے کوئی اوٹھانے کیوں ہمیں ہم بھی آبیٹھے ہیں قسمت آزمانے کیلئے
اس نزاکت پر ہمارے قتل کا دعویٰ چہ خوش کیوں کمر کستے ہیں وہ ہمارا اوٹھانے کیلئے
چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھ جاتے ہیں ریاضؔ اک حسین ہر وقت ہو ان کے منانے کیلئے

(از عالمگیر لاہور)

جناب اصغرؔ گونڈوی

نالۂ دل خراش میں آہ جگر گداز میں کون ستم طراز ہے پردۂ سوز و ساز میں
یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بیخودی سکھا یا نہ کسیکو ساتھ لے اوس کے حریم ناز میں
محوِ حقیقت آشنا۔ بندۂ وہم بے خبر ہوش کسی کو بھی نہیں میکدۂ مجاز میں
کچھ تو کمالِ عشق نے حسن کا رنگ اڑا لیا ایک ادائے ناز ہے بیخودی نیاز میں
شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونکدی ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

جناب تاجورؔ نجیب آبادی

تمہارے دل سے مٹے دشمنی محبت کی سنو جو درد بھری راگنی محبت کی
ہم اپنی رام کہانی تمہیں سنائیں گے شنیدنی ہے یہ ناگفتنی محبت کی
مریضِ عشق کا دم توڑنا خدا کی پناہ ہے دردناک بہت جان کنی محبت کی
جمالِ دوست میں پیدا ہو رنگِ جلوۂ عشق جو دل میں دوست کے ہو چاشنی محبت کی
فروغ مہر کو ہو میرے دل سے کیا نسبت اس آئینے میں تو ہے روشنی محبت کی

جناب رضا علی صاحب وحشتؔ کلکتہ

چمن کا شوق ہے لیکن چمن کہاں دیکھا قفس میں ہمنے بہت خواب آشیاں دیکھا
حریفِ ہمت دل کیا ہو دوری منزل نگاہِ شوق نے وہ تیرا آستاں دیکھا
نظر کی ندر چڑھی تیری رونمائی میں دکھائی پھر نہ دیا کچھ بجز جہاں دیکھا
نہ اپنے درد کا دکھ ہے نہ غم کا غم مجھکو دل اپنا شاد ہوا تم کو شادماں دیکھا

(از ہمایوں لاہور)

اڈیٹر اردوئے معلیٰ دہلی

محتسب دشمن ہے آفت ہی ہر اک میخوار پر کشتیِ مے روز چلتی ہے چھری کی دھار پر

جہانگیر کی قبر کو دیکھ کر

جناب طالب انصاری گنوری بدایونی

جب نگاہ شوق سے گذری یہ تیری یادگار ایک آہ سرد لب پر آگئی بے اختیار
درد سے پہلو میں اپنے ہوگیا دل بیقرار

سنگ مرمر پہ وہ رنگارنگ کی گلکاریاں کیف نظارہ سے جسکے روح تک ہے شادماں
اللہ اللہ چھارہی ہے کیا بہار بیکراں

ہر در و دیوار سے ٹپکے ہے اک شان بہار ہر طرف پیش نظر ہیں لاکھ سامان بہار
یعنی اک اک نقش ہے گویا رگ جان بہار

فخر شاہان سلف تھا جو شہ خلد آشیاں خوف سے جسکے لرزتے تھے سلاطین جہاں!
کانپتے تھے جسکی ہیبت سے زمین و آسماں

آج اتنا بھی نہیں اُس کا کوئی پرسان حال پوچھتے تنہائی تربت میں جو رنج و ملال
ہستی فانی کا ہوتا ہے یہی اک دن مآل

اب کہاں وہ شوکت شاہی کہاں وہ آن بان کنج گمنامی میں مرقد کی ہے جسم ناتواں
یاد آیا ہے کہ وہ دور جہانگیری کہاں

وائے حسرت خاک کی چلمن میں تو روپوش ہے فکر فردا ہے نہ کچھ پرواے ہوش و گوش ہے
رو رہی ہے شمع تربت اور تو خاموش ہے

ذائقہ چکھنا ہے سب کو مرگ غم آگاہ کا حشر ہونا ہے یہی ہر اک گدا و شاہ کا!
نام رہ جائیگا باقی اک فقط اللہ کا!

رمضان المبارک کا سالانہ رعایتی اعلان

۵ رمضان المبارک ۱۳۵۰ ہجری سے ۱۵ شوال تک

قرآن شریف جلی قلم

معہ نو خوبیوں والا

(۱) کلام مجید کے لیے ظاہری آداب (۲) فضائل تلاوت اور طریقہ تلاوت (۳) قرآن مجید کی فضیلت (۴) نماز میں قرآن پڑھنے کی فضیلت (۵) کتنے دنوں میں ختم کرنا چاہیے (۶) قرآن مجید کی تعلیم کے فضائل (۷) رموز اوقاف۔ جو تلاوت کے لئے اشد ضروری ہیں (۸) سوانح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (۹) وہ مقامات بتلائے گئے ہیں جن میں اعراب کا فرق ہونے سے کفر لازم آتا یا نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سورتوں کی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ الغرض ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ مندرجہ ذیل ہدیہ کلام مجید بالکل مفت ہے

ہدیہ مجلد کپڑا۔ قیمت اصلی عیہ رعایتی عہ

شاندار کلام پاک مصری پنج مہری بہایت جلی قلم اور علحدہ حروف ہونے کی وجہ سے مبتدی و منتہی۔ اور بچے بوڑھے کو یکساں مفید ہے ہر پارہ علحدہ اور پارہ کا نام بہت واضح اور بیل بوٹوں سے مزین کیا گیا ہے اسی طرح ہر منزل علحدہ پھول پتی سے خوبصورت بنائی گئی ہے صحت پر وثوق کے واسطے علماء و حفاظ کی مہریں ثبت ہیں ضخامت ۷۰۰ صفحہ ہیں اول آخر میں تلاوت کے متعلق مفید باتیں درج ہیں باینہمہ ہدیہ مجلد کپڑا۔ قیمت اصلی عیہ رعایتی عہ

پنجسورہ معجز نما مع ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رح حاشیہ پر تقریباً کامل تفسیر ہر سورہ کا کنو ینہ مع خواص و فضائل و اعمال و شان نزول کاغذ ویز سفید چکنا عنا شدہ مجلد۔ قیمت اصلی عہ رعایتی ۴ار

مجموعہ اعمال سورہ یٰسین مع طریق زکوٰۃ وغیرہ جس میں کشائش رزق، دست غیب فتیابی مقدمات۔ حب تسخیر خلائق وغیرہ کے بیسیوں اعمال درج کئے گئے ہیں

قیمت اصلی ۱۲ر رعایتی ۲ ار

مجموعہ اعمال سورہ مزمل مع طریقہ زکوٰۃ ہر مقصد کے لئے نیز اس میں سورہ یوسف شریف کے اعمال وغیرہ بھی درج ہیں۔ قیمت اصلی ۶ رعایتی ۵ ر

مجموعہ اعمال قل ہو اللہ شریف اعمال مجربہ یا متوکل اللہ الصمد و ترکیب الصلوٰۃ التسبیح و اعمال چہل کاف وغیرہ نہایت مجرب اور زود اثر۔ قیمت اصلی ۸ رعایتی ۷

(کتب تصوف)

حقیقت کی سیر

ترجمہ منظوم معہ رباعیات

حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

یہ رباعیاں اسلامی تصوف اور عارفانہ نکتوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ اگر ان کا روزانہ ورد کیا جائے تو دنیا میں آدمی کبھی ننگا بھوکا نہیں رہ سکتا اور اس کی آخرت بھی سدھر سکتی ہے۔

حضرت سلطان ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ چوتھی صدی ہجری میں گذرے ہیں اس کتاب میں ان کی زندگی کے مفصل حالات سلیس اردو میں اور چار سو اکتیس فارسی رباعیاں معہ ترجمہ منظوم درج ہیں ہر فارسی رباعی کے نیچے اس کا حرف بحرف ترجمہ اردو رباعی میں موجود ہے۔ آپ کی اکثر رباعیاں ایسی پر تاثیر ہیں جن کے روزانہ ورد کرنے سے آدمی اپنی مراد کو پہنچ سکتا ہے۔ تسخیر قلوب۔ درد چشم۔ فراخی رزق اور ادائے قرض کے لئے بعض رباعیاں خاص اثر رکھتی ہیں۔ زبان اگرچہ فارسی ہے۔ مگر ایسی آسان ہے کہ تھوڑی بھی فارسی جاننے والے بھی اس سے لذت اندوز ہو سکتے ہیں اردو داں اصحاب کے لئے اردو نظم میں لفظ بہ لفظ نہایت سلیس ترجمہ موجود ہے۔ کاغذ سفید۔ چکنا ضخامت ایک سو بائیس صفحے بلا جلد قیمت اصلی عہ رعایتی ۱۲ر

تاج الکلام ترجمہ منظوم معہ رباعیات عمر خیام سب سے پہلے عمر خیام کا فوٹو ہے اسکے بعد اسی صفحوں پر عمر خیام کے سوانح حیات اور ایک سو نوے صفحات پر عمر خیام کی ۲۹۷ فارسی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں الغرض پونے تین سو صفحوں کا نادر مجموعہ معہ ہاف پونڈ جلد کے۔ قیمت اصلی عہ رعایتی عہ

جواہر منظوم معہ ترجمہ منظوم رباعیات سرمد} حضرت سرمد شہید کا اور نگزیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا۔ لیکن مولنا ابوالکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ کھینچا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے پورا سوانح سرمد مولنا آزاد کے قلم سے ہے اور اس کے بعد سرمد علیہ الرحمۃ کی تمام فارسی رباعیاں معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں۔ قیمت اصلی ۱۲ ار رعایتی ۹ ر

کتب تاریخ و سیر

سفر نامہ ابن بطوطہ} جلد اول کاغذ سفید چکنا تقطیع ۲۰/۲۶ ۵۷۲ صفحے قیمت اصلی للعہ رعایتی ...

سفر نامہ ابن بطوطہ} جلد دوم کاغذ سفید چکنا تقطیع ۲۰/۲۶ ۴۳۲ صفحے قیمت اصلی سے رعایتی سے

ابن بطوطہ نے ۷۲۵ھ ہجری سے تمام دنیا کا سفر شروع کر کے ۲۶ برس کے بعد اپنے وطن کو واپس آیا۔ دنیا کے عجیب و غریب حالات و واقعات آج سے چھ سو برس پہلے کے اگر دیکھنے ہوں تو سفر نامہ ابن بطوطہ سے بہتر کوئی کتاب مستند نہیں مل سکتی

فردوس آسیہ} اس کتاب کے پانچ حصہ ہیں حصہ اوّل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حصہ دوم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حصہ سوم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حصہ چہارم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور حصہ پنجم میں اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیدائش سے وفات تک مفصل حالات درج ہیں قیمت اصلی عہر رعایتی عہ ر

الفاروق} امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی مولانا شبلی کے قلم سے ہے۔ قیمت اصلی عکر رعایتی ۱۲ ار

سیرۃ النعمان} حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالات از شبلیؒ۔ قیمت اصلی عہر رعایتی ۱۰ ار

سوانح عمری مولانا رومؒ} از حضرت شبلی نعمانی۔ اس میں حضرت مولانا روم کے مفصل سوانح عمری ہے۔ مثنوی شریف اور مولانا کی دیگر تصنیفات پر نہایت قابلانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت اصلی عہر رعایتی ۹ ر

الہارون} خلیفہ ہارون رشید کی مکمل سوانح عمری۔ خاندان برامکہ کے عروج و نصیب کا

عبرت انگیز فوٹو۔ الف لیلیٰ کے قصوں پر دلچسپ تنقید کاغذ چکنا قیمت قیمت ۴ رعایتی ۲
المامون } از مولانا شبلی خلیفہ ہارون رشید کے فرزند مامون رشید کے قابل قدر سوانح عمری۔ قیمت اصل ۱۲ رعایتی ۱۰ ار

الغزالی } یعنی حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدا سے انتہا تک حالات زندگی حضرت مولانا شبلی نعمانی کے قلم سے۔ قیمت اصل ۱۲ رعایتی ۱۰ ار

صد پارہ دل یعنی تذکرہ مشاہیر عالم } از مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی ہر دو حصہ کامل۔ قیمت اصل ۱۲ رعایتی ۱۰

ہفت بہشت } یعنی سوانح عمری خواجگان چشت اہل بہشت مع نقشہ جات مزارات۔ قیمت اصل ۱۲ رعایتی ۱۰ ار

سوانح عمری } حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ قیمت اصل ۸ رعایتی ۱۰ ار

تذکرہ اولیاء ہند اردو چشتیہ۔ صابریہ۔ سہروردیہ قادریہ۔ نقشبندیہ۔ سات سو اولیاء اللہ کے حالات اور کشف و کرامات درج ہیں نہایت ضخیم کتاب ہے قیمت اصل للعہ رعایتی سے

مقالات شبلی } جس میں مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین ہیں جو آجتک طبع نہیں ہوئے۔ چھاپہ عمدہ کاغذ بہترین کاغذ چکنا سفید قیمت اصل ۸ رعایتی ۹ ار

حیات سعدی } سوانحعمری حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ قیمت اصل ۸ ر رعایتی ۳ ر

حیات سعدی } حضرت حافظ شیرازی رح کی مفصل سوانحعمری مع حالات زندگی۔ اصل قیمت ۸ ر رعایتی ۳ ر

سفرنامہ روم و شام۔ جس میں علاوہ ان جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں۔ قسطنطنیہ، بیروت، قاہرہ، بیت المقدس وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت تا بعید مقامات۔ مشہور عمارت سررشتہ تعلیم دار العلوم، اور مدارس یورپ اور طلبا کی تربیت تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات کتب خانہ اخبارات اور رسالے مشہور بادشاہوں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو با تفصیل لکھا ہے۔ اصلی قیمت ۱۲ رعایتی ۱۲ ر

سفرنامہ ہستی یعنی جز زندگی دنیا۔ انسان کو جس قدر اصل زندگی ہر حصہ عمر میں پیش

آتے ہیں۔ ان کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ بے اختیار آنسو ٹپک پڑتے ہیں اور دنیا ایک عبرت کدہ معلوم ہوتی ہے یہ مولانا ہی صاحب کا حصہ تھا۔ کہ ہر بیان بے مثل اور ہر خیال بے نظیر گویا انشاپردازی اور سچے واقعات کی روح ہے۔ اصل قیمت ۱۲ رعایتی ۱۱؍۔ از مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی مرحوم

اسلامی سوانحعمریاں - مولانا موصوف کی یہ آخری تصنیف ہے ولایتی کاغذ کتاب مجلد مع فوٹو مولانا مرحوم۔ اصلی قیمت ۱۲ رعایتی ۱۰؍

کتب متفرقات

چمنستان سخن - جناب منشی احمد دراز خاں صاحب عاجز عفافی بی۔ اے منشی رفیق محمد خاں صاحب رفیق قایم گنجوری کی الف سے ی تک ہم ردیف غزلیات کا مجموعہ اصلی قیمت ۸ رعایتی ۶

ایک عیاش کی ڈائری یا مرقع عبرت - شریف اور عصمت مآب عورتیں کیسے بدکار بنجاتی ہیں۔ ایک بدکار زندگی کتنی زندگیوں کو تباہ و برباد کرسکتی ہے۔ ایسی دلچسپ اور سبق آموز کتاب اس سے پہلے نظر سے نہ گذری ہوگی۔ اصلی قیمت ۸ رعایتی ۶

عجیب الطرفین - یورپ پرستی کا نتیجہ۔ مشن کی تعلیم کی خرابیاں آزادی کے نقصانات بے پردگی کے نتائج۔ ایک آزادی پرست عورت کا ایک بیرسٹر کے دام تزویر میں پھنسکر شادی کی اُمید پر اپنی عصمت کو قربان کردینا نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ اصلی قیمت ۴ رعایتی ۳

سیر خرابات - ظرافت کے مخصوص انداز میں دہلی کی عیاشی اور آوارگی کے خفیہ راز سودخوار مہاجنوں کی دست درازیاں۔ ایک طوائف کی عیاریاں۔ دوست احباب کی ستم ظریفیاں۔ قسمت کا زبردست انقلاب۔ اصلی قیمت ۶ رعایتی ۴

مجموعہ نظم شبلی - اس کتاب میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں۔ اکثر نظموں میں سیاسی چاشنی بھی ہے آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات مولوی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے نکلے ہوئے۔ اصلی قیمت ۸ رعایتی ۵

رسائل شبلی جس میں حسب ذیل گیارہ رسائل ہیں - اور جن کو مولانا مرحوم نے نہایت تحقیق و جانکاہی سے تحریر فرمایا ہے - (۱) اسلامی شفاخانہ (۲) اسلامی کتب خانے (۳) حقوق الذمیین (۴) جزیہ (۵) کیتھلکس اور مسلمان (۶) خطبہ (۷) النظر (۸) کتب خانہ اسکندریہ (۹) تراجم (۱۰) اسلامی مدارس (۱۱) قدیم تعلیم - لکھائی چھپائی نہایت عمدہ -
اصلی قیمت عہ؍ رعایتی عہ؍

آغاز اسلام - ترجمہ موسوم بدرالاسلام علیا جناب میمونہ سلطان بانو صاحبہ بیگم صاحبہ عالی جناب نواب زادہ میجر محمد حمیداللہ خاں صاحب نے مسلمان لڑکیوں کے واسطے فارسی سے اردو میں ترجمہ کرا کے شائع فرمایا - اصلی قیمت ۸؍ رعایتی ۵؍

مثنوی عقد گوہر یعنی موتیوں کا ہار - مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی حکایتوں کا سلیس اردو نظم میں ترجمہ جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم - اے - سی - آئی - ای سابق سشن جج کے قلم حقیقت رقم سے جو عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کیلئے یکساں مفید ہے پیرایہ ایسا دلکش کہ پڑھنے سے دل نہ اکتائے - لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ چکنا ضخامت ۲۶۰ - اصلی قیمت عہ؍ رعایتی ۱۲؍

جوانی کی بہار ترجمہ ضیاء الابصار - ارسطوی دوران حکیم محمود خان صاحب مرحوم دہلوی کی مایہ ناز کتاب ضیاء الابصار فی مداواۃ الباہ کا نئے طرز پر اور عجیب ڈھنگ سے بامحاورہ اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں ضعف باہ کے تمام اسباب اور اس عام اور مہلک مرض سے بچنے کے طریقے اور اپنی قوت کو قائم و دائم رکھنے کے متعلق تمام ذرائع اور عورتوں کو خوش کر سکنے کے جملہ اسباب بالتفصیل بیان ہیں اور اگر شامت اعمال سے اس قسم کا کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اس کے علاج شریف خانی خاندان کے مجرب اور نایاب نسخے بتائے گئے ہیں - الغرض قدرِ بے بہا ہے - اصلی قیمت عہ رعایتی ۱۰؍

مجموعہ مجربات بوعلی سینا مسمٰی بہ ہدیۃ العاشقین علم طب میں بےنظیر اور لاثانی جس کے دیدار کا زمانہ مشتاق تھا شائقین یہ کتاب زبان فارسی میں حکیم کامل بو علی سینا اور دیگر حاذق طبیبوں کی کتابوں سے انتخاب کیا ہوا مجموعہ ہے - اس میں جملہ اقسام کی عورتوں کی قسمیں اور صفتیں نہایت اچھی طرح بیان کی ہیں اور طریقہ مباشرت بتلایا ہے اور قوت باہ کے بےنظیر نسخے نہایت سہل درج ہیں اور جن عورتوں سے مباشرت کرنی چاہئے - اصلی قیمت عہ؍ رعایتی ۱۰؍

مسٹر بھاری بھرکم کی ڈائری - جو انہیں مسٹر غماز کے نام سے اخبار قوم میں شائع ہوئی ہے - اصلی قیمت ۶/ رعایتی ۴/

مسٹر مجنوں - ان کے مضامین رنگارنگ اردوئے معلی میں سنہ ... و سنہ ... تک شائع ہوئے ہیں - مضامین کیا ہیں مجموعۂ ظرافت کا مرتبان ہے اس ... نے قلم ظریف رقم سے ہوئی ہے - اصلی قیمت ۸/ رعایتی ۶/

عورت کا ارتقا - نئی تہذیب کا فوٹو عورتوں کا حیرت انگیز ترقی و مغربی ... مسٹر غماز کے قلم سے - اصلی قیمت ۴/ رعایتی ۳/

بہشتی زیور کامل معہ گوہر

عورتوں کی تعلیم کے لئے نہایت مفید دینی اور دنیوی تمام ضروریات ... ہیں گیارہواں حصہ بہشتی گوہر خاص مردوں کے مسائل میں ہے حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب کی یہ کتاب ایسی مقبول ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اصلی قیمت عہ/ رعایتی عہ/

نیک بیبیوں کی کہانیاں حصہ اول - اس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بعد حضرت حوا علیہ السلام سے لیکر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حالات درج ہیں - اصلی قیمت ۴/ رعایتی ۲/

نیک بیبیوں کی کہانیاں حصہ دوم - اس میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضرت حاتم اصم کی ایک چھوٹی سی لڑکی کے حالات درج ہیں - اصلی قیمت ۴/ رعایتی ۲/

نمک دان ظرافت یعنی لطائف - ملا دو پیازہ اور بیربل - اصلی قیمت ۳/ رعایتی ۲/

رمضان المبارک کا سالانہ رعایتی اعلان

۲۵ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۰ ہجری سے ۲۵ شوال تک

نوٹ - ایک روپیہ سے کم کا وی - پی روانہ نہ ہوگا

ڈرامے	اصلی قیمت	رعایتی قیمت	نام کتاب	اصلی قیمت	رعایتی
لیلےٰ مجنوں	۸/	۵/	ماہی گیر	۶/	۴/
شیریں فرہاد	۶/	۴/	بچہ سقہ	۶/	۴/

نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
نورِ اسلام	۱۲/	۸/
ہیلد بوس	۸/	۵/
خوبصورت بلا	۶/	۴/
سلطانا ڈاکو	۸/	۴/
تماشۂ ٹوکیو	۶/	۳/
سفید خون	۶/	۴/
جلاد عاشق	۱۲/	۸/
پنجابی سپاہی	[illegible]	۸/
محبت کا پھول	۱۲/	۸/
[illegible]	[illegible]	[illegible]
دہلی دربار	۶/	۴/
برقِ اسلام	۶/	۴/
خونِ دل	۶/	۴/
دُزن	۱۲/	۸/
غازی مصطفےٰ کمال پادشاہ	۱۲/	۸/
" النور بے	۱۲/	۸/
بہادر نقاب پوش	۸/	۶/
سلور کنگ	۶/	۴/
سپاہی کی دولہن	۶/	۴/
پارسی لیڈی	۸/	۶/
حاتم طائی	۸/	۶/
طوطا مینا	۸/	۶/
طوطا کہانی	۶/	۳/
گل بکاؤلی	۶/	۴/
گل صنوبر	۵/	۳/
الف لیلےٰ	[illegible]	عہ/
امیر حمزہ	[illegible]	عہ/
چراغ الہ الدین	[illegible]	۴/
قصہ علی بابا	۱۲/	۱/
جنرل نادر خاں	۸/	۵/
قتل نظیر	۵/	۴/
ترکی فرشتہ	۱۰/	۴/

نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
غیبی تلوار	۱۲/	۸/
امیر حرمین	۶/	۴/
علی بابا چالیس چور	۶/	۴/
ناول	اصل قیمت	رعایتی
مرقع عبرت	۸/	۶/
سیر خرابات	۶/	۴/
نجیب الطرفین	۴/	۳/
[illegible] بھاری کھرکم	۶/	۴/
مسٹر مجنوں	۶/	۴/
بہرام کا روڈا	عہ/	۸/
بہرام کی سخاوت	عہ/	۸/
گنگا دین ڈاکو حصہ اول	۶/	۴/
" " حصہ دوم	۶/	۴/
" " حصہ سوم	۸/	۶/
سلطانا ڈاکو	۱۰/	۵/
پہاڑی ڈاکو	۶/	۴/
خونخوار ڈاکو	۶/	۴/
گول میز	۸/	۶/
منصور موہنا	عہ/	۸/
ملک العزیز ورجینا	۱۲/	۸/
عیارہ دلہن	۱۲/	۸/
بہروپیہ جاسوس	۱۲/	۶/
وہم کا پتلا	۷/	۵/
ہنسی کا کوزہ	۱۰/	۴/
لال بائی	۸/	۶/
مرد میدان حصہ اول	[illegible]	۱۲/
" حصہ دوم	[illegible]	۱۲/
یوسف نجمہ	۸/	[illegible]

اور ہر قسم کی کتابیں ملنے کا واحد پتہ

چھ سو برس پہلے

ہندوستان کا سب سے پہلا مسلمان

یعنی [illegible] ہجری ... دنیا کے عجیب و غریب حالات و واقعات کا مسلمان سیاح ابن بطوطہ کا سفرنامہ جس میں ۲۹ برس کے حالات سفر درج ہیں۔ یہ پہلا مسلمان سیاح ہے جو ہندوستان میں آیا۔ اس کے مطالعہ سے چھ صدی پہلے کی ہندوستانی معاشرت، شاہان اسلام کی بے نظیر اولوالعزمی، ہندوؤں کے ساتھ بہترین برتاؤ کی مستند مثال ملتی ہے

جلد اول کا ترجمہ جناب عطاء الرحمن صاحب نے کیا ہے قیمت [illegible] کاغذ چکنا [illegible]

جلد دوم کے مترجم جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم۔ اے سی آئی ای مرحوم ہیں۔ کاغذ چکنا، ٹائیٹل رنگین خوشنما ۵۴۲ صفحات قیمت فی جلد تین روپے

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول

حالات مکہ معظمہ	مدینہ منورہ	بیت المقدس	قسطنطنیہ	[illegible]
قاہرہ	اسکندریہ	حلب	مشہد	[illegible]
بغداد	مشرقی افریقہ کی سیر	افغانستان	کابل سے سفروں کا سلسلہ	

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم

حالات سندھ	پتنگ لکڑی	چین کی دیوار	قیام	[illegible]
ملتان سے دہلی کا سفر	ہونگ کانگ	چین کے مرغ	مسقط	[illegible]
سلطان محمد تغلق	جاوا و سماٹرا	فن مصوری	اصفہان	[illegible]
جزائر دہلی کا سفر	ناچنے والا گھوڑا	شغفد و بار	تیونس	آدم محمد
موگی اور ذائن	چین	عرب	[illegible]	[illegible]
چین کے جہاز	[illegible]	ایران	[illegible]	[illegible]

ملنے کا پتہ: [illegible] اردو [illegible] دہلی

اُردوئے معلّٰی

دہلی

اُردو علم اَدب کا ماہواری رسالہ

جو

ملک کے مشہور اہل قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہو کر

ہر انگریزی مہینے کی پندرہویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایکروپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پروپرائٹر

قربان علی بسمل

نے

اپنے شاہجہانی پریس کٹرہ گوکل شاہ دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

شاہجہانی پریس دھلی کی خاص مطبوعات

رباعیات حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیر رحمہ

سلطان ابو سعید ابو الخیر رحمتہ اللہ علیہ کی چار سو سترہ رباعیوں کا ترجمہ نظم ہی میں کیا گیا ہے مثل رباعیات عمر خیام اور سرمد۔ ہر فارسی رباعی کے تحت اردو رباعی بطور ترجمہ درج ہے۔ کتاب کی تقطیع بھی مذکورہ کتابوں کے برابر ہے حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیر کی رباعیاں تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں حضرات صوفیہ کو رباعیات ابو الخیر سے ضرور فیضیاب ہونا چاہئے۔ قیمت بلا جلد ایکروپیہ مجلد ہاف بونڈ عہ مجلد پارچہ عہ

رباعیات سرمد مرحوم

معہ ترجمہ اردو جواہر منظوم - باضافہ رقعات حضرت سرمد حضرت سرمد شہید کا اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا لیکن حضرت مولنا ابو الکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ اسکا کھینچا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ پوری سوانح سرمد مولنا آزاد کے قلم سے ہے اور اسکے ساتھ سرمد کی تمام رباعیاں بھی معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں۔ رباعیات سرمد اسلامی تصوف اور عارفانہ چٹکلوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ترجمہ میں بھی سرمد کا مستانہ رنگ جھلک رہا ہے۔

قیمت بلا جلد ۱۲ ؍ مجلد ہاف بونڈ ۱۴ ؍

رباعیات عمر خیام

معہ ترجمہ منظوم تاج الکلام جس میں عمر خیام کی مفصل سوانح عمری بھی شامل ہے۔ سب سے پہلے عمر خیام کا فوٹو ہے۔ اس کے بعد آٹھ صفحوں پر عمر خیام کی سوانح حیات ہے اور ایک سو بانوے صفحات پر سات سو چونسٹھ ۷۶۴ فارسی کی عمر خیام کی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں باریک قلم سے ملک الکلام کی اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں۔ الغرض پونے تین سو صفحوں کا نادر مجموعہ مجلد ہاف بونڈ کا سوا دو روپیہ۔ مجلد پارچہ ڈھائی روپے۔

ملنے کا پتہ:- شاہجہانی پریس دفتر اردوئے معلی دھلی

اردوئے معلی دہلی

جلد ۱۱ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۴

ایک رباعی کی تصحیح

حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیاں کتابی صورت میں معہ ترجمہ منظوم کتب خانہ تجارتی شاہجہانی پریس دہلی نے طبع کی ہیں۔ اسمیں ۷۱ فارسی اور ۷۱ بطور ترجمہ کے اردو رباعیاں ہیں۔ ساری کتاب مطالعہ کرنیکے بعد جناب حکیم میر زاور علی صاحب رعد نے مقام واڑی (دکن) سے اپنی رائے لکھکر بھیجی ہے جو درج ذیل ہے۔

"رباعیات حضرت سلطان ابوسعید" صفحہ ۱۰ میں مترجم صاحب کی غلطی ہے (تا در نظر خلق نہ گردی کافر) کو تا در نظر حق لکھکر غلط ترجمہ کیا ہے (جب تک نظر حق میں نہ ہوگا کافر) تا در نظر حق۔ ناموزوں۔ مطلب غلط اور ترجمہ غلط در غلط ہے باقی ترجمہ خوب ہے"

حکیم صاحب کا لکھنا ٹھیک ہے۔ مترجم صاحب نے اصل رباعی کی غلطی پر توجہ نہیں کی۔ خدا جانے اس رباعی کا ترجمہ کرتے وقت اون کا تخیل کہاں تھا کہ حق اور خلق کا امتیاز نہ رہا اور غلط رباعی کا غلط ترجمہ کر دیا۔

رباعیات سلطان ابوسعید ابوالخیر پنجاب کے سررشتہ تعلیم میں داخل ہیں اور شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے۔ کے۔ ایم۔ میٹرا سکو اتر ایم۔ اے۔

ملنے۔ ایس (لندن) پروفیسر السنہ شرقیہ دیال سنگھ کالج لاہور سے مرتب کرا کے ان کو شائع کیا ہے۔ مترجم صاحب نے اوسی مطبوعہ کتاب کے ہر مصرعہ کے نیچے ترجمہ کا مصرعہ لکہا ہے۔ ممکن ہے کہ اونہوں نے اس خیال سے گہری نظر نہ ڈالی ہو کہ پروفیسر صاحب نے اسمیں ایسی فاش غلطی نہ چھوڑی ہو گی لاؤ میں بہی سرسری طور پر ترجمہ کردوں مگر نہیں نہیں میں اسکو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کیونکہ مترجم صاحب نے رباعیوں کا انتخاب بڑی توجہ سے کیا ہے۔ شیخ مبارک علی صاحب کی مطبوعہ کتاب میں ۴۴۲ رباعیاں حضرت سلطان ابوسعیدؒ کی دکھائی گئی ہیں بخلاف اسکے مترجم نے ۱۷ رباعیاں انتخاب کی ہیں باقی ۲۶ رباعیاں حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کی جو ان میں مخلوط تہیں اون کو علٰحدہ کردیا ہے جس سے مترجم صاحب کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رباعی کا ترجمہ کرتے وقت مترجم صاحب (من توشدم تومن شدی) کے میدان میں گام زن ہوں گے جو حق اور خلق میں امتیاز نہ کر سکے۔ بہرحال رعد صاحب کا شکریہ بتہ دل سے ادا کیا جاتا ہے جن کی دوررس اور برقی نگاہ کے طفیل ایک بہت بڑی غلطی کی تصحیح ہو گئی اصل رباعی اور اس کا ترجمہ یہہ ہے

رباعی

از ہستی خویش تا پشیمان نہ شوی سر حلقۂ عارفان و مستان نشوی
تا در نظر خلق نہ گردی کافر در مذہب عاشقان مسلمان نشوی

ترجمہ

ہستی سے پشیمان نہ جب تک ہوگا ممکن نہیں تو ہو سر گروہِ عرفا
خلقت کی نظر میں ہو نہ جبتک کافر عشاق کے مذہب میں مسلمان کیسا

جنکے پاس یہ کتاب بلا تصحیح پہونچ چکی ہو براہ کرم وہ اس غلطی کو درست کریں۔ (بسمل)

روزانہ اخبار بریلی

کے ایڈیٹر صاحب نے اردو گلستان کی تنقید کے سلسلہ میں - تاج الکلام ترجمہ رباعیات عمر خیام پر مہجور صاحب میرٹھی کے ساتھہ ساتھہ کچھہ اپنی طرف سے بھی خامہ فرسائی کی ہے - رباعیات عمر خیام کا پہلا ایڈیشن شاہجہانی پریس نے ۲۴ء میں شائع کیا تھا کچھہ دنوں بعد قوی صاحب کا انتقال ہوگیا - ۳۱ء میں یہ کتاب پریس نے دوسری بار شائع کی - ۷ اپریل ۳۲ء میں ایڈیٹر صاحب روزانہ اخبار بریلی اور مہجور صاحب میرٹھی نے مرحوم کے کلام پر اعتراض کئے ہیں اور لگے ہاتھ اردوئے معلی اور اہل دہلی کو بھی شامل کرلیا - اس کا جواب لکھنے والا تو قبر میں سو رہا ہے طابع یا ناشر جس نے رباعیات عمر خیام کو طبع کیا ہے البتہ وہ اب تک بقید حیات ہے اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ اس سلسلہ کو طول دیا جائے تو قوی مرحوم کے اعزہ و اقارب کو ۷ اپریل ۳۲ء کا روزانہ اخبار دیکر درخواست کی جاسکتی ہے اور ایک عرصہ تک یہ محاذ جنگ قائم ہوسکتا ہے -

اردوئے معلی کو آپ نے خدا جانے کیوں اس تبصرہ میں شامل کیا اردوئے معلی اور رباعیات عمر خیام الگ الگ دو چیزیں ہیں -

سال گذشتہ میں اس پریس نے ایک کتاب حقیقت کی سیر ترجمہ منظوم رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رح شائع کی ہے جسطرح رباعیات عمر خیام کو ناقد صاحب نے خرید کر تنقید فرمائی ہے اسی طریقہ پر ایک روپیہ میں اسکو بھی خرید کر نقد و نظر کی تکلیف گوارہ فرمائیں - اس کتاب کے مترجم ابھی زندہ ہیں - ہم تو مہجور صاحب یا کوئی اور صاحب جو بھی ہوں ان کو یہی مشورہ دیں گے کہ مردہ و زندہ کے مقابلہ کو سردست ملتوی کرکے یہ دوسرا میدان جنگ قائم کریں تو کچھہ دنوں ذرا دل لگے تو رہے -

مچھیرن شہزادی

(از مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ)

مچھلی کی منڈی میں مچھیرے اپنے اپنے بوجھوں کی بولیاں بول رہے تھے ٹھیکیدار خوش تھا کہ باہر کا مال نہ آنے سے شہر کے دام چڑھ گئے، ایک چار ہی دن میں چھ سات آنہ سیر کی مچھلی روپے چودہ آنہ پر پہنچ گئی۔ بیوپاری سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے تھے اور اپنے اپنے مال کو سونا چاندی سمجھ رہے تھے مال کا بڑا حصہ بک چکا اور مینہ چھما چھم برس گیا تو کونہ میں سے ایک عورت جسکی گود میں بچہ تھا اپنی تین مچھلیاں لیکر آگے بڑھی اسکے سر پر ایک میلی کچیلی چادر پڑی ہوئی تھی مگر انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ پردہ کرتی اور منہ چھپانے کی کوشش کرتی ہے ٹھیکہ دار نے کہا۔ اری بتا کیا مانگتی ہے۔

عورت جسطرح سب کا مول ہو رہا ہے ان کا بھی مول کر لیجئے یہ جواب عورت نے دیا تو سہی مگر رک رک کر اور جھجکتے جھجکتے معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ پریشان ہے اور اسکو اس طرح گفتگو کرنیکا اتفاق کم ہوا ہے، ٹھیکہ دار نے کہا۔

اول تو تیری دو مچھلیاں جو بڑی ہیں سو ہیں پانچ پانچ سیر کی ہونگی پوٹ انکا گاہک کون ہوگا دوسرے یہ کیسی بجھی ہوئی ہیں شاید پرسوں کی پکڑی ہوئی ہونگی۔

ٹھیکہ دار کا یہ جواب سنکر بیوپاری دیکھنے کیلئے ہاتھ بڑھا رہے تھے مگر اس نے ڈانٹ دیا اور کہا صبح سے اتنا مال بکا ہے اور ابھی پیٹ نہیں بھرا ہے، عورت نے کوئی جواب نہ دیا صرف اتنا کہا "جو کچھ ہے یہ ہے" ٹھیکہ دار نے تیوری پر بل ڈالکر کہا جا ادھر بیٹھ جا یہ مال ختم ہو جائے تو تجھ سے بات کروں۔

اسکو بیوپاری نے بھی دیکھ لیا کہ دو ڈھائی روپے کا مال ٹھیکیدار مفت میں آپ اڑا لیگا اور کچھ پیسے ہاتھ پر رکھ دیگا۔ جب چھیڑ ہو گئی تو ٹھیکیدار نے کہا لے یہ چار آنے لیجا اسکا گاہک کون ہوگا کانٹے ہی کانٹے ہیں۔

عورت:۔ اس سے آدھی آدھی مچھلی تو روپے روپے ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ کی بکی اور یہ چار آنہ کی۔

ٹھیکیدار:۔ بک بک نہیں کرتے مفت کی چونی دے رہا ہوں۔ باہر نکلکر تو دیکھ کوئی چار پیسے بھی نہیں دیگا میں نے تو رحم کھا کر اس بچے کے واسطے دیدی چل باہر نکل،

عورت:- میں نہیں بیچتی تم میرا مال دید و اتنے میں اور لوگ چلے گئے تھے اور اب گنتی کے دو چار آدمی رہ گئے تھے۔ ٹھیکیدار نے آگے بڑھکر غصہ سے کہا نکل باہر ایک تو بیکی کرو اور پھر اپنے یہ بدلہ ملے باہر جا۔ عورت:- میرا مال دید و میں نہیں بیچتی۔

ٹھیکہ دار:- چل چل باہر چل مال دید و کی بچی۔ اری مفت کی پاؤلی میں رہی ہے اور کیا یہ مکان لے گی۔ عورت:- تو آپ میرا مال دید یجئے۔

ٹھیکیدار:- اور یہاں زمین پر رکھنے کی تہ بازاری کون دیگا۔ لا چار پیسے اور اپنا مال لیجا۔

عورت:- بس تو مجھے چوتی ہی نہیں چاہئے خدا کے ہاں لونگی۔

ٹھیکیدار:- چل چل دو۔ ہو خدا کے ہاں سے لیجو۔

عورت روتی ہوئی چلی تو سلو بیکار بھی پیچھے پیچھے ہولیا اور پاس جاکر کہا کہ نیک بخت تو ہے کون؟

عورت میں سلطان کی بیوی ہوں وہ آج بیس دن سے موتی جھرے میں پڑا ہوا ہے اب اتنا بھی نہیں کہ دو قدم چل سکے۔ تین آنہ روز کا نسخہ کہاں سے لاؤں۔ دو بچے ایک میں چار روپے سرکار سے ملتے ہیں۔ باقی یہ مچھلی کا سہارا تھا کہ دس بارہ روپے وہ اس میں لے آتا تھا۔ پرسوں جب ایک پیسہ بھی پاس نہ رہا اور بیمار کو دوا تک نصیب نہ ہوئی تو میں خود ڈور کانٹا لے کر دریا پر پہنچ گئی وہاں سے یہ مچھلی مل گیا میں سمجھتی تھی آٹھ دس دن کو دوا ہی سے چھوٹونگی مگر تقدیر نے یہ گل کھلایا۔

سلو:- اری تو بھائی سلطان کی بیوی ہے وہ جو شہزادہ ہے۔ قاضی کے حوض والا۔

عورت:- ہاں۔

سلو:- لے تو مجھ سے یہ تین آنے لیجا اور اسکا نسخہ لیتی جا۔

عورت: نہیں جو کچھ میرے ساتھ ہوا ٹھیک ہوا میں نے جیسا کیا اسکا پھل مجھکو مل گیا۔ میری عمر کوئی دس برس کی ہوگی کہ ہمارے ہاں قلعہ میں ایک دفعہ مچھیرن دو ٹوکرے مچھلیوں کے لیکر آئی دونوں بھرے ہوئے تھے ایک آنہ سیر بیچ رہی تھی۔ میں نے دو مچھلیاں چھپا لیں اس نے بھی دیکھ لیا بہتیرا ہی سر پٹخا بڑی بیگم سے شکایت کی۔ صاحب عالم کو خبر پہنچی میری ہی بلاؤ ہوئی لیکن میں نے انکار کر دیا اور یہ کہتی رہی کہ جھوٹی ہے وہ روتی ہوئی چلی گئی اور ہم نے دو نو مچھلیاں خوب مزے سے کھائیں۔ آج جب ٹھیکیدار نے مجھے باتیں سنائیں تو وہ وقت یاد آگیا۔ بھائی یہ تو لینے کا دینا ہے جیسا میں نے کیا ویسا پایا۔ مچھیرن نہ ہی تو میرے ہاں سے

مچھلی بھی نہ لے گئی۔ آج اس عمر میں میری بے عزتی ہوئی ہے

مئی ۳۲ء کا اردوئے معلی وی پی ہوگا

مندرجہ ذیل خریداروں کے نام اردوئے معلی ماہ مئی میں وی پی کے ذریعہ روانہ ہوگا۔ وی پی میں عہ ہر خریدار کو دینے پڑیں گے بخلاف اسکے منی آرڈر روانہ کرنے میں صرف دو آنہ خرچ ہوں گے اور خریدار کو تین آنہ کی بچت ہوگی اگر منی آرڈر ایک روپیہ کا بھجدیا جائے تو بہتر ہے - مینیجر

۸۰۹ جناب شیخ حبیب اللہ صاحب — برمچ

۸۱۶ جناب کلن خاں صاحب کے۔ ایس عینک و دندان ساز — لاہور

۸۳۵ جناب ملک اشتیاق احمد صاحب — فرخ آباد

۸۵۲ جناب شیخ ضیاء الحق صاحب — ہاپوڑ

۸۸۴ جناب سردار علی صاحب — لیبونگ

۸۸۶ جناب واحد علی صاحب واحد بلگرامی — محمود آباد

۸۹۰ جناب ہیڈ ماسٹر صاحب ہندو محمدن ہائی اسکول — چھاؤنی انبالہ

۸۹۷ جناب زبیدہ قاسم مدن — کلکتہ

۹۰۱ جناب غلام صفدر صاحب ثاقب دہلوی — کیمپ سیالکوٹ

۹۱۶ جناب گور پرشاد صاحب شاد — کلانور

۹۲۵ جناب عبد اللہ صاحب پنکھا فروش — شہر پشاور

۹۴۴ جناب مولوی حافظ سید شاہ راشد علی صاحب القادری — کلکتہ

۹۴۷ جناب محمد ظہور علی خان صاحب — مین پوری

۹۵۲ جناب منظور احمد صاحب — کوٹیلور

۹۸۶ جناب منشی زین العابدین صاحب — بلگام

۹۹۷	جناب بابو صدرالدین صاحب	چودہ پور
۱۰۰۹	جناب نواب محمد عبدالحلیم خان صاحب	شاہ آباد
۱۰۱۸	جناب محمد قاسم صاحب	چنن پٹن
۱۰۲۶	جناب پادری ٹی۔سی۔ کارن صاحب	مئو ناتھ بھنجن
۱۰۳۶	جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب شیدا	اعظم گڈھ
۱۰۶۰	جناب گوپال پہلوان	ناگپور
۱۰۷۴	جناب سید میران صاحب	احمد آباد
۱۰۷۴	جناب منشی احمدالدین صاحب	مالیر کوٹلہ
۱۰۹۴	جناب ضمیر احمد خان طالب علم	بستی شیخ
۱۱۴۴	جناب خان محمد سعادت علی خان صاحب	لاہور
۱۱۴۹	جناب محمد انیس احمد صاحب	میران پور
۱۱۵۰	جناب مبارک حسین صاحب مٹیا برج	کلکتہ
۱۱۶۴	جناب محمد یوسف حسن خان صاحب	محمود آباد
۱۱۶۷	جناب محمد عبداللہ دہولارکر	مہسلہ
۱۱۶۸	جناب عبداللہ صاحب	کراچی
۱۱۷۵	جناب پنڈت جگموہن ناتھ صاحب	جے پور
۱۱۷۶	جناب عبدالرحمٰن حسو میان	احمد آباد
۱۲۰۵	جناب عبدالرحمٰن خلن صاحب	گوجر خان
۱۲۲۲	جناب منشی سید یوسف علی صاحب	بیر سیہ
۱۲۳۰	جناب شیخ محمد عمر صاحب	انبالہ چھاؤنی
۱۲۳۴	جناب غلام دستگیر خان صاحب	کھوٹا پور

۱۲۴۳	جناب نور احمد خاں صاحب	ڈہری
۱۲۴۹	جناب ایم رضا مرزا صاحب	جودھ پور
۱۲۶۷	جناب بابو عبدالرزاق صاحب	چھاؤنی انبالہ
۱۲۷۰	جناب سالک الشعراء حضرت سالک	گرداور
۱۲۷۴	جنابہ آبرو بیگم صاحبہ	بھوپال
۱۱	جناب میاں محمود علی خاں صاحب	جلال آباد
۲۰	جناب اطبیہ سید اظہر حسین صاحب	سوردن
۲۴	جناب ضیاء الحسن صاحب	بجون
۳۶	جناب نورالدین صاحب	دیہیل
۴۴	جناب منشی محمد یحییٰ صاحب بی۔اے تحصیلدار	باڑی
۵۴	جناب احمد حسین صاحب	کلکتہ
۹۰	مسٹر اف۔ایم۔شجاع	شملہ
۹۵	جناب شیخ حامد حسین صاحب حامد	دہرہ دون
۱۰۷	جناب محمد جمیل احمد صاحب	کلکتہ
۱۰۸	جناب ابو محمد سمیع احمد صاحب رضوی	بہار شریف
۱۰۹	جناب سکریٹری صاحب انجمن انوار الاخلاق	نیولور
۱۱۳	جناب محمد ابراہیم صاحب اہلکار	تعلقہ اشتی
۱۱۴	جناب محی الدین صاحب اختر	بھاگل پور سٹی
۱۱۵	جناب میاں سلطان علی صاحب ذیلدار	بوچا کلاں
۱۱۶	جناب محمد عبدالرشید صاحب سوداگر	کھوہ
۱۱۷	جناب احسن اختر صاحب	کھیرو

لال قلعہ کی جھلک ظرافت آمیز

جناب حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی

بہادر شاہ ابو ظفر کے عہد میں غدر سے پہلے دو داستان گو شہر میں مشہور تھے بڑے عبداللہ خاں اور چھوٹے عبداللہ خان دونوں کے دونوں اپنے فن میں کامل تھے بڑے عبداللہ خان اکثر حضور والا کو داستان سناتے تھے اور چھوٹے والا پسند فرماتے تھے میر کاظم علی دہلوی جو داستان گوئی میں فرد تھے انہیں کے شاگرد تھے اور میر باقر علی دہلوی انہیں اپنے ماموں میر کاظم علی صاحب کے داستان میں شاگرد رشید تھے جو حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ رات کا وقت تھا' حضور والا چھپر کھٹ میں لیٹے تھے' حکیم احسن اللہ خانصاحب چھپر کھٹ کے پاس بیٹھے تھے' عبداللہ خان نے حسب دستور داستان شروع کرنے سے پہلے یہ لطیفہ بیان کیا کہ امرگڑھ کے قلعہ کے پاس چوک میں دو مسافر یوں بات چیت کر رہے تھے "آپ کی وضع سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں"۔

"جی ہاں میں لکھنؤ کا باشندہ ہوں مگر آپ کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دہلی کے رہنے والے ہیں"۔

"بیشک میں دہلی رہتا ہوں" لکھنوی صاحب یہ تو فرمائیے آپ یہاں کیوں آئے کیا کام کرتے ہیں؟"

لکھنوی "میں امیروں کو میٹھی میٹھی باتیں سناتا ہوں آپ کیا شغل رکھتے ہیں؟"

دہلوی "میں بات میں رفو کرتا ہوں"

لکھنوی "خوب ہم تم اس شہر کے راجہ کے دربار میں چلیں اور اپنا ہنر دکھائیں۔"

الغرض سر شام راجہ تک پہونچ ہو گئی راجہ نے کہا "کچھ بیان کرو"۔

لکھنوی "حضور یہ فدوی آج ہی آپ کے شہر میں داخل ہوا ہے۔ شہر سے ملی ہوئی ندی جو بہتی ہے اوس میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تہا" اتفاقاً ایک بیل ندی میں اوترا اور اوس کا پاؤں پھسلا گرا اور گرتے ہی بھسم ہوگیا اور اُس کا ریشہ ریشہ پانی میں بہ گیا۔

راجہ۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی

دہلوی "حضور انکا کہنا سچ ہے بیل کی پیٹھ پر سو کہا چونہ لدا تہا بیل کے گرتے ہی چونہ بجھا اور بیل کو گلا کر اوسکی بوٹی بوٹی کر دی"

راجہ اس حاضر جوابی پر بہت خوش ہوا۔ اور دونوں کو پچاس روپیہ دیکر رخصت کیا۔ راجہ کے محل سے نکلکر لکھنؤ والے نے دہلی والے سے کہا "کل پھر ہم تم ملکر راجہ کے ہاں چلیں گے" دہلی والے بولے "میں تمہاری بات میں رفو نہیں کرسکتا تم بے تکی باتیں بناتے ہو کجا سوکہی ندی میں بیل کا گرنا اور کجا اوسکا بھسم ہو جانا وہ تو مجھے سوجھ گئی اور بات میں رفو ہو گیا۔

(۲) حسن بانو لیسے گھر میں بیاہی آئیں جس میں سوائے اونکے دولہ ولایت بیگ کے دوسرا نہ کوئی مرد تہا نہ کوئی عورت تھی البتہ حسن بانو کے سات جہیز میں ایک لونڈی آئی تھی جسکا نام کنگی تہا، جب ولایت بیگ نے پینس سے نکال کر دولہن کو محل میں مسند پر لاکر بٹھایا تو کنگی لونڈی بولی "دولہن بڑی نازک مزاج ہیں، سچ مچ پھول سونگھکر جیتی ہیں، کچھہ نہیں کہاتی ہیں، بس ایک چڑیا کی جیب اور ایک مانڈہ کا پھولا کھاتی ہیں، اسکا بندوبست روز کردیا کیجے اور خدا رکھے آپکو سب طرح کے کھانے پکاکر میں کھلایا کرونگی" ولایت بیگ اس بات کو سنکر حیران ہوگیا اور اُس نے کہا "مانڈہ کنگی تم پکایا کرنا اور چڑیا کی جیب میں روزانہ کاٹ دیا کرونگا" اس بات کو چھہ مہینے ہو لئے، میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے سہنے لگے، ولایت بیگ نے اپنے یار دوستوں سے کہا میری بیوی ایسی کم خوراک ہے کہ رات دنمیں ایک چڑیا کی جیب اور مانڈہ کا ایک پھولا کھاتی ہے" یاروں نے کہا مرزا تمہاری جورو تمہیں احمق بناتی ہے، تم اوسکی باتوں میں نہ آؤ اور وقت بیوقت چھپ کر دیکھو کے

کھانے پینے کو جانچو" مرزا کے دل کو یاروں کا کہنا لگ گیا اور ایک دن اُس نے حسن بانو سے کہا "آج رات کو میں گھر نہیں آؤنگا دوستوں کے ساتھ جلسہ میں رہونگا تم شام ہوتے ہی گھر کا دروازہ بند کر لینا اور تم دونوں ہوشیار رہنا" یہ بہانہ کر کے وہ کوٹھے پر چلا گیا اور چھپ کر بیٹھ رہا بیوی سمجھی میاں جلسہ میں گئے مغرب سے پہلے دروازہ کی کنڈی لگالی اور بیوی باندی کہا بیکر سائیاں میں سو رہیں ایک پہر کے بعد بیوی کی آنکھہ کھلی اور وہ اپنے پلنگ پر اُٹھکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "کیتگی رات کتنی؟" کیتگی بولی "بیوی پہلا پہر" بیوی نے کہا "مارے بھوک کے میرا دم نکلا جاتا ہے تو کچھہ پکاکر جلدی لا" کیتگی نے کہا "ہر طرح کی خیر بس خدا رکھے گھر میں ہے جو حکم ہو"

بیوی - سیر بھر تل - سیر بھر قند سیر بھر گھی لیکر تلکٹ بنا لا"

لونڈی تلکٹ بنا لائی حسن بانو تلکٹ سب ڈکار گئی اور بچھونے پر پڑکر سو گئی کچھہ دیر بعد اوسکی آنکھہ کھلی تو اوسنے کہا "کیتگی رات کتنی؟" کیتگی نے کہا "دوجا پہر" حسن بانو نے کہا "اری کم بخت مارے بھوک کے میری جان ہوا ہوئی کچھہ پکاکر جلدی لا دیکھہ سیر بھر میدہ سیر بھر کھانڈ سیر بھر گھی کی ٹکیہ پکا لا" لونڈی نے روغنی روٹ پکاکر حسن بانو کو کھلا دیا اور وہ پھر سو گئی اور کچھہ دیر بعد پھر اوسکی آنکھہ کھلی تو اوس نے کہا "کیتگی رات کتنی؟" لونڈی نے کہا "تیجا پہر" حسن بانو بولی اری مُردار بھوک کے مارے میرا دم نکلا - کچھہ پکاکر فوراً - لا" لونڈی نے کہا "جو حکم ہو"

حسن بانو" دو سیر مونگ کی کھچڑی سیر بھر گھی لیکر جھٹ پٹ پکاکر حاضر کر" لونڈی کھچڑی پکا لائی اور حسن بانو اُسے چاٹ کر پڑ گئی اور خراٹے لینے لگی چو یکایک اُسکی آنکھہ کھلی اور اُس نے کہا "کیتگی رات کتنی؟" لونڈی نے کہا "بیگم چوتھا پہرا"

حسن بانو" ہائے اللہ وہ بندی بھوکی مری ارے نا نصیب بھوک نے میرا کام تمام کیا - تُو دو سیر رو ادو سیر کھانڈ سیر بھر گھی لیکر نچیری بنا لا اُسے پھانک کر دو گھونٹ

پانی پی کر اپنا دم تھام لوٹی "پنجیری بنکر آئی حسن بانو نے کہانی پھر جوڑ کر سوئی تو دن کے اٹھتے ہی اٹھی اور اس نے دیکھا میاں انگنائی میں ایک ہنڈیا لئے بیٹھے ہیں جسکا منہ کپڑے سے بندھا ہے بیوی اٹکھیلیاں کرتی میاں کے پاس آکر کہنے لگیں "اچھی صبح ہی صبح کیا لائے ہو" میاں نے ہانڈی کا منہ کھولا اور اس میں سے کالا سانپ پھنپھنا کر کھڑا ہو گیا۔

بیوی (سانپ کو دیکھکر) "وہی میاں یہ کالا"

میاں "بیوی تلکٹ بھر اکنڈالا"

بیوی "وہی میاں یہ موٹا"

میاں "بیوی بھوبل میں کاروٹا"

بیوی "وہی میاں یہ چلے"

میاں "بیوی کپھڑ میں گھی ملے"

بیوی "وہی میاں اسے ڈہانکو"

میاں "بیوی سارے گھر کا اٹا پھانکو"

"بیوی تو کوئی بلا نوش عورت ہے منہ سوئی پیٹ کوئی عورتوں کا قاعدہ ہے کہ مردوں کو طرح طرح سے ستاتی ہیں مجھ سے کہا میں چڑیا کی جیب اور مانڈہ کا پھپولا کھاتی ہوں اور درپردہ ایک بیل کا راتب زہر مار کرتی ہی لعنت ہے ایسے ہوکے پر"

(۴)

لپو دینہ نام شاہ عالم کے عہد میں ایک نقال تھا بادشاہ اسے مہربانی اور قدر کی آنکھ سے دیکھتے تھے، اکثر اوقات دربار میں حاضر رہتا تھا، یہاں تک عنایت تھی کہ بادشاہی جلوت اور سکے واسطے خلوت کا حکم رکھتی تھی، ایک روز بادشاہ کو کسی تقریب سے اس نے ننگا دیکھ لیا تھا اور یہ بات بادشاہ پر بھی ظاہر ہو گئی تھی بادشاہ کو نہایت

غصہ آیا۔ یہ بھی اُس وقت حاضر تھا اور سامنے سنتری پہرے پر ٹہل رہا تھا۔ اس سے کہا کہ اس نالائق کو حوالات میں رکھو۔ اسکو اسوقت تو کچھ بن نہ پڑی حکم حاکم مرگ مفاجات ناچار سنتری کے ساتھ ہولیا۔ اس سے پہلے کہ سنتری کچھ اسکی نسبت کہے جھٹ بول اُٹھا کہ "داروغہ صاحب اس سنتری سے کچھ خطا سرزد ہوئی ہے۔ حضور والا کا حکم ہے کہ یہ حوالات میں رکھا جائے"۔ سنتری نے کہا "نہیں اس کے واسطے حوالات کا حکم ہے"۔ اس نے کہا "لو اور سنو۔ دروغ گویم بروئے۔ تو حکم تیرے واسطے ہوا حوالات میں بھگتوں"۔ داروغہ کو یقین تھا کہ بھلا یہ تو بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا ہے۔ اسکو بادشاہ حوالات کا حکم کیوں دیتے۔ بیشک اس سنتری کے واسطے حکم ہی کچھ اس سے قصور ہوا ہوگا۔ پودینہ سنتری کو حوالات میں پھنسوا کر پھر بادشاہ کو آداب بجا لایا۔ بادشاہ نے کہا "ناشدنی تو نے پھر اپنا روئے سیاہ دکھایا۔ ہم نے تجھے [illegible] کا حکم دیا تھا"۔ کہا "خداوند فدوی اس سنتری کو حوالات سپرد کر تو آیا"۔ بادشاہ نے اسکی بات پر مسکرا کر منہ پھیر لیا اور حکم دیا کہ "یہ نامعقول دربار میں حاضر نہ ہوا کرے"۔ کچھ دن اسی طرح گذرے۔ آخر ایکدن باغبان کو کچھ روپیہ دیئے کہ مجھکو ٹوکرے میں بند کر کے دربار میں لے چل۔ باغبان حضور والا کے واسطے کچھ گلدستہ بنا کر اور پودینہ کو ٹوکرہ میں بند کر کے دربار میں لے چلا۔ گلدستے پیش کئے۔ بادشاہ نے پوچھا "اس ٹوکرے میں کیا ہے"۔ آپ جلدی سے ٹوکرے میں سے بولے "حضور وہی آپ کا پودینہ ہے"۔ بادشاہ ہنس دئے اور قصور معاف کر دیا۔

(۴)

جاننے والے جانتے ہیں عرفی اکبر کے عہد میں ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ ایک روز اکبر فتح پور سیکری جا رہے تھے عرفی اور فیضی بھی حاضر تھے۔ رستہ میں بادشاہ نے ایک بیٹیا دیکھی۔ دونوں طرف سبزہ اور بیچ میں ایک سیدھی لکیر۔ بادشاہ نے عرفی سے مخاطب ہو کر کہا "یہ بیٹیا اسوقت کیسی خوبصورت اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ادھر اُدھر سبزہ بیچ میں ایک

سیدہی اور سفید تحریر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی معشوق کی سر کی مانگ ہے یا آسمان نیلی فام پر کہکشان ہے" عرفی نے جو بادشاہ کا میل اسرف دیکھا تو فورًا فی البدیہہ ایک شعر اس مضمون پر کہکر بادشاہ کو سنایا ؎

ایں سطرے جادا ہا کہ بعجز انوشتہ اند
احوال رفتہ ایست کہ از پانوشتہ اند

بادشاہ نے نہایت تعریف کی۔ دو تین روز کے بعد فیضی اور بادشاہ دونوں بجرہ میں بیٹھکر دریا کی سیر کر رہے تھے اکبر نے فیضی سے کہا" اس روز عرفی کا شعر سُنا" فیضی نے کہا" غلام نے سُنا تھا" اکبر نے کہا" اس موقع کے لحاظ سے تم بھی کچھ کہو" فیضی نے دریا کی روانی کو دیکھکر کہا ؎

ایں سطر موجہا کہ بدریا نوشتہ اند
احوال گریہ ایست کہ از ما نوشتہ اند

اکبر پھڑک اوٹھے اور کہا" بہی تم نے نرالی بات پیدا کی ہے مگر انصاف شرط ہے پہلا شعر عرفی کا ہی ہے" فیضی نے کہا" اس میں کیا شک ہے"۔

(۵)

عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ایک شخص فولاد خان نامی شہدی دلی میں کوتوال تھا" ایک روز بازار میں نالکی پر سوار چلا جاتا تھا۔ اتفاقاً اُدھر سے ایک آزاد فقیر چلا آتا تھا۔ فولاد خان کو دیکھکر موقع سے ایک طرف کھڑا ہو گیا جب فولاد خان کی نالکی آزاد کے پاس آئی تو کہنے لگا" او بے انگیٹھی کے کوئلہ کچھ ہمیں بھی"۔ اس واہیات بات کو سنکر فولاد خان آگ بگولا ہو گیا اور اپنے نوکر کی طرف اشارہ کیا کہ اس بدمعاش کو دھکے دو نوکروں نے دھکے دینے شروع کئے۔ آزاد کہنے لگا بابا چچھو نہیں چچھو نہیں یہ بات فولاد خاں کو پسند آئی اور آزاد کو انعام دیا آزاد نے انعام لیکر دعا دی کہ بابا لال رہو

(یعنی کوئلہ کے مناسبت سے یہ باتیں کہیں)

(۶)

عالمگیر بادشاہ حیدرآباد میں تشریف رکھتے تھے ایک دن نعمت خان عالی سے فرمایا کیوں نعمت خاں پہلے حیدرآباد کا کیا نام تھا؟ عرض کیا "فرخندہ بنیاد حیدرآباد" بادشاہ نے فرمایا "اور اب دار الجہاد حیدرآباد" نعمت خاں نے کہا کیا شک ہے حضور معلے نے دین کو از سر نو زندہ کیا ہے کوئی سنت و فرض ایسا نہ ہوگا جو حضور سے ادا نہیں ہوگا مگر ایک سنت بندگان عالی سے ادا نہ ہوئی اگر وہ بھی ادا ہو جائے تو کوئی سنت باقی نہ رہے ۔ عالمگیر نے پوچھا وہ کیا سنت باقی ہے کہا سرور کائنات نے گدھے کو بھی اپنی سواری سے شرف بخشا ہے ۔

عالمگیر نے کہا بیشک یہ سنت رہی جاتی ہے اچھا کل ہم گدھے پر سوار ہونگے ارکین سلطنت نے جو یہ بات سنی تو ہوش اڑ گئے آپس میں کہنے لگے اگر بادشاہ حیدرآباد میں گدھے پر سوار ہو کر نکلے تو بڑا غضب ہوگا نعمت خاں عالی کو خدا غارت کرے یہ افترا پردازیاں اسی فیلسوف کی ہیں اب اسکا علاج یہ ہے کہ اوس کی چلکر خوشامد کرو ورنہ یقین ہے کل بادشاہ گدھے پر ضرور سوار ہونگے ۔ چنانچہ سب مل جل کر نعمت خان عالی کے ہاں پہونچے اور کہنے لگے بھئی خدا کے واسطے یہ کیا آگ لگائی ہے بادشاہ کی دور دور بدنامی ہوگی اور تمہارا کچھہ نہ جائیگا نعمت خاں نے کہا خالی خوشامد سے کام نہیں چلتا کچھہ دلواؤ تو بادشاہ کو گدھے کی سواری سے روکوں سب امرا نے کہا جو تم کہو نعمت نے کہا کہ ایک ایک مہینہ کی تنخواہ سب میرے حوالہ کیجے سب نے وعدہ کیا کہ ہم ایک مہینہ کی تنخواہ تمکو دیدیں گے نعمت خاں نے کہا تو میں بادشاہ کو کبھی گدھے پر نہیں چڑھنے دونگا دوسرے دن بادشاہ کے لئے ایک گدھا زین سے سجا کر لایا گیا نعمت خاں وقت پر پہنچ گئے تھے اور بادشاہ کو کہا

ظلِ سبحانی نے تمام سنتیں ادا کردی ہیں میری رائے ناقص میں اس سنت سے باز رہیں کیونکہ حضور تمام سنتیں ادا کر چکے ہیں صرف ایک یہ سنت (یعنی گدے پر چڑھنا) باقی ہے اگر حضور نے یہ سنت بھی ادا کردی تو حضور سرورِ عالم سے مساوات اور برابری ہو جائیگی اور یہ خلاف ادب ہے بادشاہ نے یہ بات تسلیم کری اور گدھا واپس کردیا گیا اور نعمت خاں نے تمام امرا سے ایک ماہ کی تنخواہ وصول کرلی -

(محمد ابراہیم صاحب عاشق انصاری بنارس اسٹیٹ)

آتا نہیں سمجھ میں کیا میں کہوں کہ کیا ہو
تم قدرتِ خدا ہو - تم شانِ کبریا ہو

ہو سرورِ دو عالم محبوبِ کبریا ہو
ممکن نہیں جہاں میں تم جیسا دوسرا ہو

نبیوں میں سب سے برتر اللہ کے دُلارے
بنکر شفیعِ امت محشر میں رونما ہو

ظلمت کو دور کرکے روشن کیا ہے عالم
تم نورِ کبریا ہو - اللہ کی ضیا ہو

تو پیشوا ہمارا - تو رہنما ہمارا ہو
دنیا میں اپنا ہادی تیرا ہی نقشِ پا ہو

منزل پہ اپنی کیونکہ پہنچے نہ وہ کہ جس کا
ہادی قرآن جیسا رہبر حدیث سا ہو

نورِ خدا کے پرتو ہو اک جھلک ادھر بھی
روشن ہمارے گھر کا ٹوٹا ہوا دیا ہو

کشتی پھنسی بھنور میں ٹوٹا ہوا ہے لنگر
پہنچو مری مدد کو امت کے ناخدا ہو

کوئی ہے ابنِ مریم - ہو - مجھکو اس سے مطلب
مجھ سے مریضِ غم کی بس آپ ہی دوا ہو

آغوش میں جب اپنی جھولا اجل جھلائے
نغمہ مری زبان پر اُس وقت بس ترا ہو

تم پر درود اول تم پر درود آخر
صلِ علےٰ محمدؐ از صبح تا مسا ہو

عاشق کی آرزو ہے عاشق کا ہے یہ ارماں
تم پر نثار دل ہو تم پر ہی جاں فدا ہو

مرقع عبرت (یا) ایک عیاش کی ڈائری

(بسلسلہ گذشتہ)

چوتھا باب

لالہ صاحب ضرورت سے زیادہ ہوشیار اور اول درجہ کے زر پرست تھے۔ لین دین کا بیوپار کرتے تھے۔ اور ان کی تمام دولت مندی کا راز ضرورت مند طبقہ کی حاجت روائی میں پنہاں تھا۔ سود کی کوئی خاص شرح مقرر نہ تھی۔ بلکہ ہر ضرورت مند کی ضرورت کے لحاظ سے اس شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ چاوڑی بازار کے ایک کونے پر لالہ جی کی دکان تھی۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ پشت پر ایک کوٹھڑی اور ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ جس کا دروازہ۔ اندر کی طرف گلی میں کھلتا تھا۔ لالہ جی عموماً رات کو دس گیارہ بجے تک دکان پر بیٹھے رہتے تھے۔ رات کے وقت نوعمر رئیس زادے جب چاوڑی بازار کے بالاخانوں پر حسن پرستی کی غرض سے جاتے تو باپ دادا کی دولت مندی کی بنا پر نوٹ روپوں میں تبدیل کراتے تو لالہ جی عموماً ایک آنہ سے لیکر چار آنے تک ضرورت مند کی ضرورت کے لحاظ سے وصول کر لیتے۔ اور اس صورت سے روزانہ رات کے دو تین گھنٹوں میں انہیں دو تین اور بعض اوقات پانچ چھ روپے مل جاتے آس پاس کے ہندو دکان دار جن کی اس بازار میں کثرت ہے۔ لالہ جی کے اس لین دین سے واقف تھے اور وہ ہر حاجت مند کے نوٹ کو واپس کر کے لالہ جی کی دکان بتا دیتے۔ لالہ جی کے ایک نوجوان فرزند اور غمگسار بیوی دونوں پلیگ کی نذر ہو چکے تھے۔ اور اب لے دیکر لالہ جی کی اپنی جان اور ایک مرحوم فرزند کی بیوی رہ گئی تھی۔ نوعمر عورت کا شباب لوٹے ہوئے گھر کی حسرت آلود دیواروں میں۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ مراسم پرستی نے عورت کی بیوگی پر جو مہر لگا دی تھی۔ وہ

کسی طرح نہ ہٹی دوسری طرف بوڑھے خسر کی خدمات طالب تھیں۔ کہ نوجوان بیوہ اپنی زندگی تباہ کرکے اپنے ایثار اور عالی ظرفی کا ثبوت دے۔ غم نصیب عورت اس تنگ تاریک کوٹھری میں۔ ہوا اور روشنی سے محروم ایک دھندلے چراغ کی روشنی میں اس وقت تک بیٹھی رہتی جب تک لالہ جی دکان کا دروازہ بند کرکے سونے کے لئے تیار نہ ہو جاتے۔ باوجودیکہ لالہ جی کی عمر پچاس پچپن سال تھی۔ مگر بعض اوقات انکے جذبات برہم ہوکر انہیں اس عورت کی تنہائی سے فائدہ اٹھانے پر مجبور کر دیتے۔ آخر لالہ صاحب نے اپنی گنہ گاری میں اُسے بھی شریک کر لیا۔ اور اُسے بھی گنہ گاری کی تعلیم دی۔ اب عورت کا شباب کی تسکین کے لئے اس ناجائز صیغہ کا معلوم کرنا ایک قیامت ہو گیا۔ اور وہ ہر کس و ناکس کو ہوس آمیز نظروں سے دیکھنے لگی ایک رات کو عبرت" جو لالہ جی سے ہمیشہ نوٹ کے روپے لیا کرتا تھا۔ ایسے وقت میں گیا۔ جب لالہ جی کھانا تناول فرما رہے تھے۔ چونکہ عبرت ہر نوٹ پر چار آنے دیا کرتا تھا اس لئے لالہ جی یہ نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور انہوں نے نوعمر بیوہ سے پونے دس روپے دینے کیلئے کہا۔ طرفین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور دونوں ایک دوسرے کے حسن اور رعنائی سے مسحور ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عبرت نے عورت کو اس گھر سے نکال کر مسلمان کر لیا۔ اور اپنی سب سے پہلی محبوبہ محمودہ کی یاد میں اس کا نام بھی محمودہ رکھ لیا۔ معمول کے مطابق یہ بھی عبرت کے آغوش میں آٹھ دس مہینے رہنے کے بعد ایک دوست کی نذر ہو گئی جو اسے اپنے ہمراہ شملہ لے گیا۔

بیوہ کی شادی کے منکرو۔ انسانی فطرت کے دشمنو۔ چشم بصیرت سے کام لو جب تم خود اس ازکار رفتہ عمر میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے اور بہو بیٹی کی تمیز بالائے طاق پر رکھ دیتے ہو۔ تو کس طرح ایک نوعمر ناتجربہ کار لڑکی سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ اپنے

شباب میں اپنی فطرت کے زبردست مطالبات پر قابو حاصل کرے۔ نوجوان بیوہ کے خسر! اپنے گریبان میں منہ ڈال۔ اور اپنی بیٹی یا بہو کو بدکاری کی تعلیم دینے والے اس بدنصیب عورت کو ملزم نہ ٹھیرا۔ اگر تیرا ضمیر مردہ نہیں ہو گیا ہے تو اپنے کوتاہ اندیش عقیدہ میں ترمیم کر اور عقد بیوگاں۔ جائز رکھ۔

جوانی کی بہار ترجمہ ضیاء الابصار

ارسطوی دوراں حکیم محمود خانصاحب مرحوم دہلوی کی مایۂ ناز کتاب ضیاء الابصار فی جماع الباہ کا نئے طرز پر اور عجیب ڈھنگ کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں ضعف باہ کے تمام اسباب اور اس عام مہلک مرض سے بچنے کے طریقے اور اپنی قوت کو قائم و دائم رکھنے کے متعلق تمام ذرائع اور عورتوں کو خوش کرنے کے جملہ اسباب بالتفصیل بیان ہیں اور اگر شامت اعمال سے اس قسم کا کوئی مرض لاحق ہو جاوے تو اُسکے علاج کے لئے شریف خانی خاندان کے مجرب اور نادر چٹکلے بتائے گئے ہیں الغرض دریے بہا ہے قیمت عہ ر رعایتی ۱۲ ار

مجموعہ مجربات بوعلی سینا مسمیٰ بہ ہدایۃ العاشقین

علم طب میں بےنظیر اور لاثانی جس کے دیدار کا زمانہ مشتاق تھا شائقین یہ کتاب فارسی زبان میں حکیم کامل بوعلی سینا کا دوسرے حاذق طبیبوں کی کتابوں سے انتخاب کیا ہوا مجموعہ ہے جس کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اس میں جملہ اقسام کی عورتوں کی قسمیں اور صفتیں نہایت اچھی طرح بیان کی ہیں اور طریقہ مباشرت تبلایا ہے اور قوت باہ کے بےنظیر نسخے نہایت سہل درج ہیں اور کن عورتوں سے مباشرت کرنی چاہئے قیمت عہ ر رعایتی ۱۲ ار

انتخاب سائل

خانصاحب مرزا جعفر علی خانصاحب اثر لکھنوی

قاتل کا ہاتھ کانپا - آیا عرق جبین پر
بسمل ایک ناتواں نے سر رکھ دیا زمین پر

نازاں جبیں ہے مجھ پر - نازاں ہوں میں جبیں پر
سجدے ہیں یا ستارے بکھرے ہوئے زمین پر

منظور اُن کو اپنے بسمل کا امتحان ہے
اے اضطراب کہدے اِک درد دل یہیں پر

اُس نے خموش رہکر بے موت اُن کو مارا
حسرت جنہیں یہی تھی دینگے جان نذر اک تبسم پر

شرمندہ ہیں اجل سے محتاج زندگی کے
وقت اخیر ورنہ کیسا عرق جبیں پر

جب ہمسے بات کرنا غصے سے بات کرنا
دل بھی یونہی لیا تھا - انصاف ہے تمہیں پر

یہ میرے بعد شاید آوارۂ چمن ہوں
پرواز کے تو شایاں صیاد اب نہیں پر

جناب منشی اقبال ورما سحر ہنگامی

چمن میں آئے فقط موسم خزاں کیلئے
جہاں میں ہم ہوئے پیدا غم جہاں کیلئے

عدم سے لائی تو ہستی میں تیری بیتابی
اب اضطراب ہے جان حزیں کہاں کیلئے

نہ سازگار زمانہ ہے اور نہ تو اپنا
اثر کہاں سے ہو فریاد بیکساں کیلئے

اسیر ہو کے ہوں ممنوں شفقت صیاد
جگہ ملی تو مجھ آوارہ خانماں کے لئے

لسان الملک جناب صفی لکھنوی

تو ہی ما و من تماشائے انداز میں ہے
جب تو یہ درد چھپے ہے تری آواز میں ہے

شوخی حسن حسینوں کے ہر انداز میں ہے
کبھی چتون میں کبھی پردۂ آواز میں ہے

کعبۂ دل کا ہمارے ہے خدا ہی حافظ
اختیار صنم خانہ بر انداز میں ہے

تو اسیران چمن کے کوئی دل سے پوچھے
وہ اذیت جو شکستہ پر پرواز میں ہے

کیجئے یہ منزل کشایات کہ جو کیا سمجھے
اُنکی جو بات ہے وہ سلسلۂ راز میں ہے

بے خطا کون ہوا ہے ہدفِ ناوکِ ظلم   ایک عشقِ ستمکش ہی نشانہ بنا ہے
اسے خاموش ہی رہنے دو حقی کیوں چھیڑو   اثرِ سوزِ تپِ غم دلِ ناساز میں ہے

مسٹر دھیریہ پرکاش رعنا سکندر آبادی

دلِ حسرت زدہ کی خو سے تم واقف نہیں شاید   یہ اپنے بھولنے والے کو اکثر یاد کرتا ہے

قاضی اختر جوناگڑھی

نکلے وہ بزمِ ناز سے منہ اپنا پھیر کر   گردن پہ اپنی خونِ تمنا لئے ہوئے
موسیٰ کی طرح محوِ نظارہ ہوں میں ادھر   وہ ناز سے ادھر یدِ بیضا لئے ہوئے
ایمن کی وادیوں میں ابھی ہے شرارِ برق   آئے تو کوئی شوقِ تمنا لئے ہوئے

جناب سرشار (خیرپور سادات)

وہ شمع ہوئی روشن وہ آ گئے پروانے   آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے
یہ محفلِ عشرت کا انجام ہے دیوانے   اجڑی ہوئی محفل ہے ٹوٹے ہوئے پیمانے
یا آپ ہی آ جاتے یا دم ہی نکل جاتا   رکھا نہ کہیں کا بھی اس وعدۂ فردا نے
دولت سے قناعت کی گر دل کو غنی کر لے   رسوائی سے در در کی کیوں خاک کوئی چھانے
جذبات کی دنیا نے طوفان اٹھایا ہے   مرنے کی ضرورت نے جینے کی تمنا نے

(از زمانہ کانپور)

جناب حکیم آزاد صاحب انصاری

معلوم نہیں کس کا جلوہ نظر آتا ہے   پنہاں نظر آتا ہے پیدا نظر آتا ہے
ہر جلوۂ ناپیدا پیدا نظر آتا ہے   قربان نگاہِ دل کیا کیا نظر آتا ہے
ہر سمت ترا حسنِ یکتا نظر آتا ہے   عالم ترے جلووں کی دنیا نظر آتا ہے
گو آنکھ نہیں لیکن اتنا نظر آتا ہے   اک جلوہ ہے جو ہر سو بکھرا نظر آتا ہے
ممکن ہو تو اب دل کو کچھ دادِ محبت دے   دل دادِ محبت کا بھوکا نظر آتا ہے

اے دیدۂ باطن اب تو ہی مجھے کچھ دکھلا
یہ دیدۂ ظاہر تو اندھا نظر آتا ہے

باطن کی نہ کچھ پوچھو باطن کی خدا جانے
ظاہر میں تو پردہ ہی پردہ نظر آتا ہے

جس نے تجھے دیکھا ہو۔ وہ دیکھے تو کیا دیکھے
جب تو نظر آجائے۔ پھر کیا نظر آتا ہے

آزاد تری آنکھیں۔ آنکھیں ہی نہیں ورنہ
آنکھیں ہوں تو دریا بھی قطرہ نظر آتا ہے

(از صوفی)

نواب فصاحت جنگ بہادر حضرتِ جلیل مانک پوری

درد دل میں۔ داغ دل میں رنج و حسرت دل میں ہے
دل میں ہے گر آرزو تیری بڑی مشکل میں ہے

قیس کہتا ہے یہ دھوکا ہے کہ وہ محمل میں ہے
تھی کبھی محمل میں لیلیٰ اب تو میرے دل میں ہے

ناوکِ قاتل سے قاتل کی نظر کچھ کم نہیں
فرق اتنا ہے وہ دل کے پار ہے یہ دل میں ہے

مل رہی ہے تیغ بڑھ بڑھ کر گلے عشاق سے
آج جشنِ عید قرباں کوچۂ قاتل میں ہے

خفتگانِ خاک سے کیا خاک پوچھے کوئی حال
قافلے کا قافلہ خاموش اس منزل میں ہے

بانکپن کی شان کو بسمل سے پوچھا چاہئے
تیر و خنجر میں کہاں وہ نوک جو قاتل میں ہے

ہر جگہ صورت نئی رکھتا ہے عشقِ فتنہ گر
اشک آنکھوں میں کھٹک سینے میں سوزش دل میں ہے

لوٹتی ہیں آج میرے گھر میں دو دو بجلیاں
اک چمک ہے داغ دل میں اک دردِ دل میں ہے

شمع و پروانہ پہ کیا موقوف ہے اے شعلہ رو
جل رہا ہے گھل رہا ہے جو تری محفل میں ہے

جناب منشی چھدامی لال صاحب قمر دہلوی

چور ہر دم نشہ میں ہوں وہ دلِ دیوانہ ہوں
میں کسی میخوار کا ٹوٹا ہوا پیمانہ ہوں

جس نے بیخود کر دیا تھا سرِ مرد منصور کو
زاہدو! میں اُس شرابِ ناب کا پیمانہ ہوں

کر دیا ساقی نے عالی ظرف مجھ کم ظرف کو
خُم کے خُم جس میں سما جائیں میں وہ پیمانہ ہوں

ہے کبھی یادِ صنم دل میں کبھی یادِ خدا
میں مجسم ہوں کبھی کعبہ کبھی بتخانہ ہوں

کس تعلّی کی تمنا ہے دلِ صد چاک کو
سرچڑھا ہوں میں ہی کسی کے گیسوؤں کا شانہ ہوں

میرے دم سے ہے جہاں میں رونقِ دورِ شراب / راستی گردش میں [illegible]
میں دلِ عشاق ہوں ہر خوبرو کے کام کا / صاف ہوں تو آئینہ ہوں [illegible]
مثلِ شیشہ رہ نہیں سکتا کبھی پنبہ دہاں / جو بہک جائے ذرا [illegible]
نام میرا ہے قمر ہوں صاف دل روشن ضمیر / سنگ دل کو نرم [illegible]

([illegible])

حضرت ہشیار میرٹھی

دریائے غم سے وہ مجھے عمرِ رواں ملے / ڈھونڈے اگر کنارہ تو ساحل کہاں سے ملے
عاشق کی موت ہجر ہے اس سے اماں ملے / مل جاؤ تم تو زندگیِ جاوداں ملے
مجھ جیسے گم شدہ کو ٹھکانا کہاں ملے / جس کو نہ اپنا گھر نہ ترا آستاں ملے
دراصل ہے جگہ کا تعین بھی ایک قید / کیوں چھوٹ کر قفس سے مجھے آشیاں ملے
کہتے ہیں بیخودی جسے پردہ ہے حسن کا / کھویا گیا وہیں میں مجھے تم جہاں ملے
تاکیدِ ضبطِ آہ پہ میں نے بھی کہہ دیا / اسکو ستاؤ تم جو کوئی بے زباں ملے
مدت کے بعد آنکھ بنی اپنے کام کی / دیکھوں نظر جما کے جہاں تو وہاں ملے
نالے سے میرے گنبدِ گردوں تو گونج اٹھا / پھر اور کیسے غیب سے دادِ فغاں ملے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے نشیب و فرازِ عشق / اس راہ میں زمیں پہ بہت آسماں ملے
واماندگی ہے پردۂ ذوقِ تلاش میں / کیا بیٹھ کر اٹھیں جو ترا آستاں ملے
یوں الٹے سانس لیتا ہوں صیاد قید میں / شاید قفس سے چھوٹ کے مرا آشیاں ملے
ہشیار جستجو نے مجھے جس کی کھو دیا / وہ ہی ملے تو کچھ مجھے میرا نشاں ملے

(از نقاش میرٹھ)

عیاشی کی ڈائری

شریف اور عصمت مآب عورتیں کیسے بدکار بن جاتی ہیں۔ بدکاری کی ابتدا اور انتہا۔ ایک بدکار زندگی کتنی زندگیوں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ معاشرتی کمزوریاں کیا ہیں اور کیسے دور ہو سکتی ہیں۔ اس مضمون پر ایسی دلچسپ۔ جامع اور سبق آموز کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸ر)

عجیب الطرفین

یورپ پرستی کا نتیجہ۔ مشن کی تعلیم کی خرابیاں۔ ماں باپ کے اخلاق کا اثر اولاد پر۔ آزادی کے نقصانات۔ بے پردگی کے نتائج۔ ایک آزاد پرست عورت کا ایک بیرسٹر کے دام تزویر میں پھنس کر شادی کی امید پر اپنی عصمت کو قربان کر دینا۔ فطرتِ انسانی کی کمزوریوں کا مطالعہ۔ نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ ضرور پڑھیے۔ قیمت صرف چار آنے ۴ر

سیر خرابات

ظرافت کے مخصوص انداز میں دہلی کی عیاشی۔ اور آوارگی کے خفیہ راز۔ ایک شریف انسان کی تباہی دوست احباب کی ستم ظریفیاں۔ سود خوار مہاجنوں کی دست درازیاں۔ ایک طوائف کی عیاریاں۔ فریب حسن کے کرشمے عصمت فروشی اور محبت کا پردہ۔ زمانے کے نشیب و فراز۔ راہ راست اور توبہ کی تسکین قیمت کا زبردست انقلاب۔ قیمت ۶ر

مسٹر بھاری بھرکم کی ڈائری

جو از بیل مسٹر غماز کے نام سے اخبار "قوم" میں شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۶ر

مسٹر مجنوں

ان کے مضامین رنگارنگ اردوئے معلی میں ۲۵ء اور ۲۶ء تک شائع ہوئے ہیں۔ مضامین کیا ہیں معجون ظرافت کا مرتبان ہے اس کی تدوین بھی مسٹر غماز کے قلم ظریف رقم سے ہوئی ہے۔ قیمت ۶ر

عورت کا ارتقا

نئی تہذیب کا فوٹو عورتوں کا حیرت انگیز تمدنی و معاشرتی انقلاب مسٹر غماز کے قلم سے۔ قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ

شاہجہانی پریس دفتر اردوئے معلی دہلی

فردوس آسیہ

یہ پانچ اکابرین اسلام کی سوانحعمریاں اور عربی کے ترجمہ کی سب سے بہتر اور مستند کتاب ہے اس کتاب کے چھہ حصے ہیں پہلا حصہ مناقب الصدیق - اس میں حضرت ابوبکر صدیق رض کی پوری لائف اور آپ کے کارنامے ہیں - اسکی ضخامت ۴۰ صفحے ہیں - دوسرا حصہ روضۃ الاحباب اس میں سیدنا عمر بن خطاب رض کے حالات زندگی و خلافت بشرح و بسط درج ہیں ضخامت ۴۴ صفحے - تیسرا حصہ مناقب ذوالنورین یعنی حضرت عثمان بن عفان رض کی لائف اور ان کے کارنامے معہ وفات اسکے ۳۲ صفحے ہیں چوتھا حصہ درک المارب - یعنی حضرت اسد اللہ الغالب کے حالات زندگی معہ خلافت ضخامت ۲۵ صفحے - پانچواں حصہ مصباح الرہیب - اس میں اہلبیت کے حالات زندگی ہیں جس میں ازواج مطہرات اور آل رسول سب شامل ہیں ضخامت ۱۰۰ صفحے اسکے بعد مرج البحرین - یہ چھٹا حصہ ہے اس میں حضرت امام حسن رض و امام حسین رض کے حالات ہیں ضخامت ۱۸ صفحے گویا کل مجموعہ ۲۲۸ صفحات کا ہے - اور قیمت صرف ۱۲/

ایک مسلمان سیاح کی اولوالعزمی

چھہ سو برس پہلے جب دنیا میں ریلیں نہ تھیں اور جہاز بھی دقیانوسی تھے اوسوقت ایک مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے تمام دنیا کے گرد سفر کیا تھا - اس نایاب سفرنامہ کو جس میں - ہندستان - مصر - اسپین - چین - قسطنطنیہ - مشرقی افریقیہ - افغانستان وغیرہ کے عجیب غریب حالات درج ہیں - جس شخص نے کامل پچیس برس سیاحت کی ہو اوس کے مشاہدات کسقدر دلچسپ ہونگے اوس کی کیفیت آپ کو ان دونوں جلدوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگی اس سفرنامہ کے بغیر آپ کے لائبریری مکمل نہیں ہو سکتی -

قیمت جلد اول جو $\frac{20 \times 26}{8}$ سائز کے ۵۷۲ صفحوں پر ہے چار روپیہ ۴/ قیمت جلد دوم جو $\frac{20 \times 26}{8}$ سائز کے ۵۴۲ صفحوں پر ختم ہے قیمت تین روپیہ کل سٹ کی قیمت چھہ روپیہ آٹھ آنے -

ملنے کا پتہ

دفتر اردوئے معلی شاہجہان پور دہلی

اردوئے معلیٰ ۱۰

دہلی

اردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

جو

ملک کے مشہور اہل قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہو کر

ہر انگریزی مہینے کی پندرہویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پروپرائٹر

قربان علی بسمل

نے

اپنے جہانی پریس کٹرہ گوکل شاہ دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

شاہجہانی پریس دہلی کی خاص مطبوعات

رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمہ

سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی چار سو ستر رباعیوں کا ترجمہ نظم ہی میں کیا گیا ہے مثل رباعیات عمر خیام اور سرمد ہر فارسی رباعی کے تحت میں اردو رباعی بطور ترجمہ درج ہے۔ کتاب کی تقطیع بھی مذکورہ کتابوں کے برابر ہے۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی رباعیاں تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ حضرات صوفیہ کو رباعیات ابوالخیر سے ضرور فیضیاب ہونا چاہیئے۔ قیمت بلا جلد ایک روپیہ مجلد ہاف بونڈ عہ مجلد پارچہ عہ

رباعیات سرمد مرحوم

معہ ترجمہ اردو جواہر منظوم۔ باضافہ رقعات حضرت سرمد حضرت سرمد شہید کا اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا لیکن حضرت مولینا ابوالکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ اس کا کھینچا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ پوری سوانح سرمد مولینا آزاد کے قلم سے ہے اور اس کے ساتھ سرمد کی تمام رباعیاں بھی معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں۔ رباعیات سرمد اسلامی تصوف اور عارفانہ چٹکلوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ترجمہ میں بھی سرمد کا مستانہ رنگ جھلک رہا ہے۔

قیمت بلا جلد ۱۲ ر مجلد ہاف بونڈ ۱۴ ر

رباعیات عمر خیام

معہ ترجمہ منظوم تاج الکلام جس میں عمر خیام کی مفصل سوانح عمری بھی شامل ہے۔ سب سے پہلے عمر خیام کا فوٹو ہے۔ اس کے بعد اسّی صفحوں پر عمر خیام کی دلچسپ حیات ہے اور ... صفحات پر صفحات ... فارسی کی عمر خیام کی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں بابیک قلم ملک الکلام کی اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں۔ الغرض ... صفحوں کا نادر مجموعہ مجلد ہاف بونڈ کا سوا دو روپیہ مجلد پارچہ ... روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ شاہجہانی پریس دفتر اردوئے معلی دہلی

اردوئے معلّٰی دہلی

جلد ۱۱ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء | نمبر ۱۰

نومبر کا اردوئے معلّٰی خواجہ نمبر ہوگا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات کی سینکڑوں کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔ جن میں دو چار کتابیں ایسی ملیں گی جن میں خواجہ غریب نواز کے صحیح حالات درج ہیں۔ اس لئے مستند کتابوں سے انتخاب کرکے ماہ نومبر کے اردوئے معلّٰی میں حضرت خواجہ اجمیری کے مفصل حالات عام فہم سلیس اردو میں شائع کئے جائیں گے اور اسکی ضخامت معمولی رسالہ سے بہت زیادہ ہوگی۔ درگاہ شریف کے ایک یا دو نقشے بھی بلاک پرنٹ آرٹ پیپر کاغذ پر ہوں گے۔

اردوئے معلّٰی کے مستقل خریداروں سے زیادہ قیمت نہیں لی جائیگی۔ نئے خریدار جو موجودہ نمبر پہونچنے پر ایک سال کی قیمت پیشگی بھیجدیں گے اون کے نام بھی خواجہ نمبر اوسی قیمت میں روانہ کیا جائیگا فقط خواجہ نمبر کی قیمت چار آنے علاوہ ڈاک ہوگی اور اس کے لئے پانچ آنے کے ٹکٹ معہ محصول ڈاک خریدار کو دفتر اردوئے معلّٰی شاہجہانی پریس دہلی کے نام پیشگی۔ لفافہ میں روانہ کرنے ہونگے۔

گذشتہ جون اور جولائی کے اردوئے معلّٰی میں جن خریداروں کو اطلاع دی گئی تھی کہ اگست کا پرچہ وی پی کیا جائیگا اب کیونکہ انکو اطلاع دی جاتی ہے کہ نومبر کا خواجہ نمبر

ادن کے نام وی پی کیا جائیگا - وی پی میں ہر خریدار کو تین آنے زیادہ دینے پڑینگے بہتر ہے کہ وہ اس پرچے کے پہونچتے ہی ایک روپیہ کا منی آرڈر روانہ کردیں۔

اہل قلم حضرات خواجہ نمبر کے لئے نظم اور نثر مضامین اگر ۱۵ اکتوبر تک روانہ کردیں گے تو رسالہ کی ترتیب میں ادن کے مضامین مضمون کے معیار کے لحاظ سے درج ہو سکیں گے۔

شاہی جامع مسجد دہلی سے مشرق کی طرف حضرت سرمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ہے جو شاہ عالمگیر کے حکم سے شہید کئے گئے تھے ادن کے قبر کے پائیں بازار مچھلی والان کے سامنے جو میدان ہے ادسمیں تمام وہ کنگلے اور فقیر جو جامع مسجد کی ارد گرد رات کو سویا کرتے ہیں ادنہوں نے بول و براز سے سارے میدان کو پاخانہ بنا رکھا ہے۔ مشرقی ہوا جس وقت چلتی ہے تو جامع مسجد کے نیچے چلنے پھرنے والوں کو رومال سے ناک ڈھانکنی پڑتی ہے۔ عرصہ دراز سے یہہ بدتمیزیاں ہو رہی ہیں اور اس کے انسداد کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ جامع مسجد کمیٹی کے ممبران کو خاص طور پر اس کے انسداد کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اطراف عالم کے سیاح جب اس تاریخی اور شاہی جامع مسجد کے دیکھنے کو آتے ہوں گے اور ادن کے دماغ غلیظ ہوا سے متعفن ہوتے ہوں گے تو سب سے پہلے اُن کے دلوں میں جامع مسجد کے منتظمہ کمیٹی کی بے انتظامی کا خیال پیدا ہوتا ہوگا۔

ہمّت استقلال اور دیانتداری

ایک سچّی سرگذشت

(از پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب حیدری)

بہت سی مصیبتیں تکلیفیں اور حادثے جو انسان سے دست و گریباں رہتے ہیں درحقیقت انسان کی فلاح اور بہبود کا پیام ہیں۔ اگر انسان ہمّت اور استقلال سے اُنکا مقابلہ کرے۔ انیس الرحمان کی والدہ کے انتقال [illegible] شیخ حبیب [illegible] دوسری شادی کر لی۔ اور صرف یہی ایک واقعہ جو باپ کی خانہ آبادی [illegible] کی بربادی کا ضامن ٹھہرا۔ عزت آرا بیگم۔ شیخ حبیب الرحمن کی نئی بیوی اور انیس الرحمن کی سوتیلی ماں جس قدر حسین و جمیل تھی اُسی قدر بدمزاج۔ مُصرف اور ناعاقبت اندیش۔

انیس الرحمان کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی اور وہ مڈل کا امتحان پاس کر چکا تھا کہ اُسکی تعلیمی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی چشم پوشی اُس کے لئے ایک مصیبت تھی۔ ناقابلِ برداشت۔ آخر ایک دن ایسی حالت میں جب سرکشی اور انحراف اُس کی رگ رگ میں سرایت کر چکے تھے اُس نے گھر کی محدود دنیا کو خیرباد کہدیا۔ دُنیا کے نشیب و فراز اُس کے سامنے تھے۔ اور ہمّت اور استقلال اُس کے محافظ۔ وطن چھوڑنے کے بعد وہ کچھ عرصہ اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر دہلی نے اُسے اپنے دامن میں جذب کر لیا۔ مستقبل کی تاریک تصویر اُس کے پیش نظر تھی۔ اور جسم و جان کی یکجائی محنت طلب۔ جب تمام کوششیں ناکام ہو چلیں [illegible] اور [illegible]

[illegible]

مزدوری کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اُس نے ایک نیا مکان تعمیر ہوتے دیکھا [illegible]

مالک مکان سے امداد کا طالب ہوا۔ آٹھ آنے روز پر رکھ لیا گیا۔ اوسط درجہ کے مزدوروں کی معیت میں اینٹیں اور گارہ اٹھانے لگا۔ دو ڈھائی آنے روز سے زیادہ اُس کا خرچ نہ تھا۔ اس لئے وہ پانچ چھ آنے روز پس انداز کرنے لگا۔ دو تین مہینے وہ اسی طرح مزدوری کرتا رہا۔ اب اُس نے سیونگ بنک میں حساب کھول لیا تھا۔ اب اُس کے پاس پچیس تیس روپے کا اثاثہ پس انداز ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اُسکی کل کائنات ایک کھدر کی چادر اور ایک انگریزی کتاب تھی۔ اُس کا نہ کوئی گھر تھا نہ آرام گاہ۔ جس جگہ مزدوری کرتا وہیں سو رہتا۔

(۲)

حاجی عبدالعلی صاحب ایک نہایت خدا ترس اور پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ تھے اُن کا کاروبار اور تجارت کی کامیابی انہیں ایک بڑے اثاثہ کا مالک بنا چکی تھی۔ حاجی صاحب نے قرول باغ میں کچھ زمین خرید کر ایک کوٹھی کی تعمیر شروع کرا دی اسی تعمیر۔ کے سلسلہ میں انیس الرحمٰن جو مزدوروں کے دائرہ میں "رحمانی" کے نام سے موسوم ہو چکا تھا۔ حاجی صاحب کی نظروں کے سامنے آیا۔ اُسکی صورت شکل اور عادات و اطوار میں خدا جانے حاجی صاحب کو کیا نظر آیا کہ وہ اُس کے حالات سے دلچسپی لینے لگے جب حاجی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ "رحمانی" اچھی خاصی اردو لکھ پڑھ سکتا ہے اور تھوڑا بہت حساب کتاب بھی جانتا ہے تو اُنہوں نے اُسے مزدوروں وغیرہ کی حاضری لینے پر اور آنیوالے سامان کا حساب کتاب رکھنے پر مقرر کر دیا۔ دونوں وقت کا کھانا اور پچیس روپے ماہوار دینے لگے۔ گذشتہ دو سال میں اُس کے پاس دو ڈھائی سو روپے سیونگ بنک میں جمع ہو چکے تھے اور اب وہ پورے پچیس روپے ۔ ہر ماہ جمع کرنے لگا۔ حاجی صاحب اُس کی دیانتداری اور جفا کشی سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے تعمیر ختم ہو جانے پر اسے دوکان کے

کاروبار میں لگا لیا۔ یہاں اُسکی ذہانت استقلال اور دیانت داری کے تمام پہلو حاجی صاحب پر ظاہر ہوئے اور انہوں نے ہر طرح اُس کی ہمت افزائی کی طرفین ایک دوسرے سے مطمئن تھے اور ایک دوسرے پر پورا بھروسہ کرتا تھا۔ اس لئے انیس الرحمٰن نے اپنے تمام اثاثہ اور سیونگ بنک کی رقم کا تذکرہ حاجی صاحب سے کر دیا۔ حاجی صاحب اس اظہار اعتماد پر بہت خوش ہوئے اور ایک دن انہوں نے اُس سے اُس کے خاندانی حالات دریافت کئے۔ انیس الرحمٰن نے اس سوال کے جواب میں بڑی احتیاط سے کام لیا اور بہت معمولی حالات جن کا تعلق اس کی ذات سے تھا بتا دیئے اسی زمانے میں حاجی صاحب کے ایک عزیز بیکار ہو کر حاجی صاحب سے امداد کے طالب ہوئے۔ حاجی صاحب کی دور اندیش فہم و فراست نے امداد باہمی کے اُصول کو پیشِ نظر رکھا۔ انیس الرحمٰن کی رقم بنک سے نکلوا کر اپنے عزیز امین الدین کو مشترکہ کاروبار جاری کرنے کے لئے دلوادی انیس الرحمٰن کو "شریک سرمایہ دار" اور امین الدین کو شریکِ کارکن قرار دیا۔ اور منافع مساوی تقسیم کرنیکا فیصلہ کر دیا۔

(۳)

اِدھر "مسلم ٹریڈنگ کمپنی" جو انیس الرحمٰن کے سرمایہ سے اور امین الدین کی جدوجہد سے جاری ہوئی تھی پوری کامیابی سے چلتی رہی اور اُس کا سرمایہ روز افزوں منزلیں طے کرتا رہا۔ اُدھر حاجی صاحب نے انیس الرحمٰن کو اُسکی محنت اور دیانت کی وجہ سے اپنا مختار الکل بنا دیا۔ اب اس کی تنخواہ سو روپے ماہوار اور کل اخراجات حاجی صاحب کے ذمہ تھے۔ ہر سہ ماہی پر دوکان کا خرچ اور آمدنی کا حساب لگایا جاتا۔ چونکہ امین الدین اپنے ذاتی اخراجات کے لئے دوکان سے سو روپے ماہوار لیتے رہتے تھے۔ اس لئے انیس الرحمٰن کی تنخواہ اور دوکان کا منافع سب اسکے سرمایہ میں اضافہ کرتا رہا۔ اور اب اُس کا ذاتی اثاثہ کئی ہزار روپے کی صورت میں

موجود تھا۔ حاجی صاحب انیس الرحمان کی اس کامیابی سے بے حد خوش اور مسرور تھے۔ اُسکا اخلاق اور اُس کی دیانت داری نے حاجی صاحب کے دل پر ایسے عمیق نقش قائم کئے تھے کہ وہ اُسے کسی طرح بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے تھے اور اُنکی دلی آرزو یہ تھی کہ اپنی سرپرستی میں کہیں اُس کی شادی کر دیں نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنی تنہا نورِ نظر زبیدہ بیگم سے اُس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر برادری کی قیود اور قومیت کی پاسداری سے مجبور تھے۔ اور اب تک یہی پس و پیش تھا جس کی وجہ سے اُنہوں نے ہر اُس نسب اور ہر اُس پیام کو جو زبیدہ کے متعلق برادری ۔۔ سے ۔۔ ہوتا تھا نظر انداز کر دیا تھا۔ ۔۔ آمادہ تھے کہ قومیت اور برادری کی تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر محض اسلامی تعلیم کی پیروی کریں۔ مگر اُنکی بیوی اس آزاد خیالی میں اُن کی ہم آہنگ نہ تھی۔ اور اپنی برادری کے ناقص سے ناقص انسان کو انیس الرحمٰن سے افضل اور بہتر خیال کرتی تھی۔ یہ جد وجہد جاری تھی کہ مشیتِ ایزدی کو جو ہر پہلو سے انیس الرحمٰن کی ہمت۔ استقلال اور دیانت کا امتحان لے چکی تھی۔ اُس کے حقوق کا احساس ہوا اور ایسے سامان فراہم ہونے لگے جو انیس الرحمٰن کی اس آخری کامیابی کے معاون ہوں۔ حالانکہ انیس الرحمٰن بذاتِ خود حاجی صاحب کی اس بندہ نوازی سے بے خبر تھا۔ اور اُسے اپنی مصروفیتوں میں کبھی یہ خیال بھی نہ ہوا کہ مشیتِ ایزدی اس کی تقدیر کا ناطق فیصلہ کن واقعات میں پوشیدہ کر چکی ہے۔

(۴)

اب انیس الرحمان کی عمر چھبیس سال کے قریب ہو گئی تھی۔ اب وہ ۔۔ وہ نحیف و ناتواں بچہ نہیں تھا جس نے گھر سے نکلکر علی ۔۔ میں قدم رکھا تھا ۔۔ اب وہ ایک توانا و تندرست ۔۔ جوان بن چکا تھا۔ ڈاڑھی مونچھ نکل آئی تھی۔ شبابِ

صحت نے خط و خال میں ایک نمایاں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور اب ہر وہ شخص جس نے اُسے بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا اُسے پہچاننے سے معذور تھا۔ ایسی حالت میں جب وہ ایک دن دوکان پر بیٹھا ہوا تھا ایک صاحب اندر آئے اور حاجی صاحب کو دریافت کیا۔ نووارد انیس الرحمٰن کے والد حبیب الرحمٰن تھے۔ باوجودیکہ زمانہ نے اُن کے بالوں کو سپید کر دیا تھا اور صورت میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ بیٹے نے باپ کو پہچان لیا۔ مگر باپ اپنے گم شدہ بیٹے کو جواب بالکل تبدیل ہو چکا تھا نہ پہچان سکا۔ انیس الرحمٰن کے تمام جسم میں ایک نئی لرزش پیدا ہوئی۔ سراسیمگی اور پریشانی ایک طرف اور مسرت بے پایاں دوسری طرف اُس کے ہوش و حواس پر طاری ہو گئی۔ اُس کی زبان بند ہو گئی۔ مگر اُس نے اپنی حالت پر قابو حاصل کیا۔ اور سوالات کے جواب دئے۔ حاجی صاحب کو زنانے میں اطلاع کرائی گئی۔ اور وہ باہر تشریف لائے۔ حاجی صاحب حبیب الرحمٰن صاحب سے بغلگیر ہوئے اور دوکان کے اُس کمرے میں جو حاجی صاحب کے لئے مخصوص تھا لے گئے۔ انیس الرحمٰن کے لئے ہر لحہ ایک ساعت بن کر گذرا۔ اُس کے خیالات مختلف ارادوں اور امیدوں کے درمیان پریشان پھرتے رہے۔ وہ ان تعلقات کے جاننے کے لئے جو حاجی صاحب اور اُس کے والد کے درمیان تھے نہایت بے چین تھا۔ کبھی وہ ارادہ کرتا کہ اپنے آپ کو اپنے والد کے قدموں پر ڈالکر اُس قصور کی معافی حاصل کرے جو بغیر اطلاع گھر چھوڑنے میں کیا تھا۔ کبھی وہ یہ فیصلہ کرتا کہ نہیں ابھی خاموش رہنا چاہیئے۔ وہ انہیں خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی

(۵)

انیس الرحمٰن اپنے خیالات پر قابو حاصل کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ

حاجی صاحب نے جو ہمیشہ انیس الرحمٰن کو "منشی جی" کہا کرتے تھے۔ ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا "منشی جی اس ہنڈی کے روپے جلد منگوا دیجئے" انیس الرحمان نے ہنڈی لے لی۔ مگر اس کی گھبراہٹ جو اس کے چہرے کے تغیرات میں نمودار ہو رہی تھی اُس کی پردہ پوشی نہ کر سکی۔ حاجی صاحب نے پوچھا "منشی جی کیا معاملہ ہے۔ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو" اس سوال کے جواب میں انیس الرحمان کے قدم لڑکھڑائے۔ اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ خون نے جوش مارا اور وہ اپنے والد کے قدموں پر گر پڑا حاجی صاحب نے اور حبیب الرحمان نے اُسے اُٹھایا اور واقعہ دریافت کیا۔ تمام معاملات ظاہر ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کو پہچانکر سینہ سے لگایا۔ حاجی صاحب کے بھی آنسو نکل آئے اور انہوں نے بھی انیس الرحمٰن کو سینے سے لگایا۔ اب معلوم ہوا کہ انیس الرحمٰن کی والدہ مرحومہ حاجی صاحب کی چھوٹی بہن تھیں۔ ماموں بھانجے کم آنوزہ مسرت سے بغلگیر ہوئے حاجی صاحب بہنوئی اور بھانجے دونوں کو لیکر زنانے میں گئے۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے پر تمام خاندان میں مسرت اور شادمانی کی حکومت ہو گئی۔ فوراً تمام ضروری مرحلے طے کئے گئے۔ اور زبیدہ کا نکاح انیس الرحمان سے کر دیا گیا حاجی صاحب کو اپنی نیک نیتی کا اجر ملا۔ اور "زبیدہ منزل" کی تعمیر میں کام کرنیوالا مزدور آج اپنی ہمت استقلال۔ دیانتداری اور حسن اخلاق کی وجہ سے زبیدہ اور "زبیدہ منزل" دونوں کا مالک اور سرتاج ہے۔

امین ومامون علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر رسالہ الہلال مصر کا مشہور تاریخی ناول ہے۔ جس میں خلفاء عباسیہ کے دربار کے حالات اور اس زمانہ کی تاریخ بہت خوبی سے بیان کی گئی ہے۔ ترجمہ اردو۔ قیمت عہر

حضرت شاکی شاہجہانپوری

ہمارے خلوت کدہ میں جہاں حجسّت شباب ہوگا — تو سبکی نظر وہیں اوسکا منظر عجب پریشان خواب ہوگا
تو شورِ محشر کا ذکر کرکے فضول واعظ ڈرا رہا ہے — گناہ کیا گن کے ہم کرینگے جو روزِ محشر حساب ہوگا
ہماری حالت پہ رحم کھا کر کوئی خدارا یہ اون سے کہدے — کہ ایک حسرت نکالدوگے تو اوسکا دونا ثواب ہوگا
کبھی تو لائیگی رنگ چاہت کبھی تو عاشق کے دن پھرینگے — وفا سے بلبل پہ خود ہی عاشق چمن میں اکدن گلاب ہوگا
نہ تھک کے بیٹھو او دلِ شکستہ تو آہ و نالے کئے چلا جا — کبھی وہ بت تیرا رام ہوگا کبھی تو تو کامیاب ہوگا
ابھی سے پہونچوں تو مجھکو پہلے جگہ ملے سب سے اگلی صف میں — یہ سن رہا ہوں کہ حشر کے دن وہ شوخ بھی بے نقاب ہوگا
میں جان و دل پہلے دے چکا ہوں کرونگا کیا نذر روزِ محشر — تمام مجمع سے عاشقوں کے اگر مرا انتخاب ہوگا
تو اپنی نادانیوں سے اے دل یہ کیا امیدیں لئے ہوئے ہے — جو اون سے خواہانِ وصل ہوگا وہ موردِ صد عتاب ہوگا

غضب میں آکر وہ ایک ہلکی سی ڈال لینگے شکن جبیں پر
تمام شکووں کا تیرے شاکی یہ ایک مجمل جواب ہوگا

جبیں سائی مجھے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا — اٹھاؤ سر کہ گھس جائیگا سنگِ آستاں میرا

نئی صورت بنا کر کنجِ مرقد میں جو آئے ہیں — وہ اس صورت سے گویا لے رہے ہیں امتحاں میرا

اوس زلف میں دشمن کا کہیں دل نہ پھنسا ہو — کیوں آج مجھے خواب پریشان نظر آیا

میں جذبۂ وحشت میں الٹ دونگا اسکو بھی — جسوقت مجھے چرخ کا دامان نظر آیا

پتلیوں نے تری صورت کو دکھایا ہمکو — اک مصور بھی نہاں دیدۂ بیدار میں تھا

ایک عرب شہنشاہ کی نادار لڑکی

صبر اور استقامت کی حیرت انگیز مثال

عرب کا ایک مقدس اور بارونق شہر ہے جہاں ایک شہنشاہ معظم کا پرجلال تخت حکومت ہے شہر کے ایک محلہ میں ایک خاتون رہتی ہے جو شہنشاہ کی بیٹی اور اس کے ایک مشہور فوجی افسر کی بیوی ہے۔ شہنشاہ کی بیٹی ہے مگر عسرت کا یہ عالم ہے کہ شاہانہ شان و شکوہ کی رنگا رنگیوں اور دنیاوی عیش و نشاط کی طرب انگیزیوں سے محروم ہے۔ نہ ڈیوڑھی پر چاؤش و نقیب ہیں نہ اندر سکھیاں سہیلیاں انتہا تو یہ ہے کہ گھر میں کوئی خادمہ بھی نہیں ہے چھوٹے بڑے ہلکے بھاری گھر کے تمام کام مجبوراً خود ہی انجام دیتی ہے حتیٰ کہ پانی کی مشک بھی خود ہی لاتی ہے اور چکی بھی خود ہی پیستی ہے آہ مشک اٹھاتے اٹھاتے اس کا مرمریں کاندھا نیلا ہو گیا ہے اور چکی پیستے پیستے اس کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں اف! کیسی دلگداز مصیبت اور کیسی روح فرسا تکلیف ہے میری عالی رتبہ شہزادی کاش میں اس مصیبت میں تیرے کچھ کام آسکتی۔

ایک دن یہ خبر پاکہ دربار شاہی میں لڑائی پر سے کچھ لونڈیاں آئی ہیں یہ نادار لڑکی شہنشاہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی . . . . . . وہ دیکھئے بادشاہ کے قریب پہنچ گئی۔

شہنشاہ ... [illegible] ... مزاج ہے؟ کیسے آئیں؟ کیا حال ہے۔

بیٹی ... [illegible] آپ بادشاہ ہیں ... [illegible]

[illegible]

اس سطح ارضی پر ہر سیاہ و سفید کا مالک مطلق ہے بڑے بڑے بادشاہوں کی خدمت میں لوگ کچھ عرض و معروض لیکر آیا کرتے ہیں۔ میں بھی ایک حقیر سی التجا لیکر حاضر ہوئی ہوں میرے گرامی رتبہ والد ماجد! میں ان دنوں بہت ہی صبر آزما دور زندگی سے گذر رہی ہوں اور ناقابل تحمل صعوبات و مصائب سے ہمکنار ہوں یہ دیکھئے چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں جن سے دکھ اور اذیت ہے، آئی تھی کہ لڑائی پر سے جو لونڈیاں آئی ہیں ان میں سے ایک مجھے ملجاتی۔

شہنشاہ۔ جان پدر! تم جانتی ہو کہ میری بادشاہت اور بادشاہت کے لوازمات فوج و سپاہ ملک و بلاد، مال و خزانہ، خراج غنیمت، سب رعایا کی چیزیں ہیں اور یہی اسکے مالک ہیں اور یہی حقدار اور ان ہی پر اموال و محاصل صرف ہوتے رہتے ہیں۔ خزانہ شاہی میں بادشاہ اور اس کے بیوی بچوں کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ مگر بقدر قوت و کفاف لونڈیاں بھی جو اصناف اموال سے ہیں مستحق رعایا پر برابر تقسیم ہوتی رہتی ہیں اور ابھی ابھی تقسیم ہوئی ہیں صرف ایک لونڈی محفوظ رہ گئی ہے مگر اُس کو ایک بیوہ کو دینا ہے جس کا شوہر حال ہی میں جنگ میں شہید ہوا ہے اور جو تم سے زیادہ حاجتمند اور مسکین ہے لہذا مجھے معذور سمجھو اور معاف فرماؤ بیٹیا! تم میری لخت جگر ہو دل کی چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو میری پوری ہمدردی تمہارے ساتھ ہے مگر کیا کروں کہ تمہاری رضا پر خدا کی رضا مقدم ہے بیٹیا! دیکھو بددل اور دلگیر نہ ہونا اور ضبط و صبر کے ساتھ اسوقت کو کاٹ دیتی جاؤ۔ رفع مشکلات کے لئے ایک دعا دیتا ہوں اسکو پڑھتی رہنا اور تسلیم و رضا کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا جاؤ خدا اور اسکا فضل و کرم تمہارے ساتھ ہو۔

(ابن الادیب جناب منشی محمود شیر خان صاحب طبیب میرٹھی)

موت ہی آئی شب فرقت نہ چین آیا مجھے کس مپرسی میں کسی نے بھی نہیں پوچھا مجھے
خواب میں اوسنے دکھا کر صورتِ زیبا مجھے کر دیا اک خواب ساری عمر کا سونا مجھے
جو وبالِ جان ہو وہ زندگانی ہے بُری موت تو یہ ہو کہ مشکل ہو گیا مرنا مجھے
دم تیرے محرابِ ابرو ابتدائے عشق ہے رفتہ رفتہ سجدہ بھی آجائیگا کرنا مجھے
الغرض آغازِ الفت تیرا یہ نکلا مآل دو گھڑی ہنسکر پڑا ہے عمر بھر رونا مجھے
ابتدائے رسم دشمن ہے سمجھ لو دیکھ لو پھر نہ کہنا مجھسے۔ تم نے کر دیا رسوا مجھے
مجھسے پوچھو میری حالت میں فدائے حسن ہوں دیکھتی ہے کس نظر سے عشق کی دنیا مجھے
کسطرح مرغوب ہو دل کو بھلا سیرِ چمن بے ترے اے رشکِ گل ہر پھول ہے کانٹا مجھے
آرہا ہوں بزم سے ایک آئینہ رخسار کی کیوں نہ ہو تصویرِ حیرت دیکھکر دنیا مجھے
حق نے قسمت ہی عطا کی تھی مجھے گردش نصیب آپ کے جور و ستم کا کچھ نہیں شکوا مجھے

سوچتا ہوں رات دن انجام الفت اے طبیب
کیا دکھائے دیکھئے تقدیر کا لکھا مجھے

ہم عربوں کی نظر میں

ہندوستانیوں کے متعلق ان کے خیالات

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

بیروت کی مجلس علمی ایک سال سے مسلمانوں میں علمی اور فنی بیداری پیدا کر رہی ہے اور اس کے سربرآوردہ کارکن مسلمانوں میں نہ صرف علمی ذوق پیدا کر رہے ہیں بلکہ سلف کی علمی یادگاریں بھی قائم کر رہے ہیں تاکہ مغرب کا یہ خیال

باطل ہو جائے کہ اہل یورپ نے ہی مسلمانوں کو تاریخ اور علوم کے ذخیرے سپرد کئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ جہاں جہاں محدثین و مورخین کے [illegible] علمی ذخائر موجود ہیں ان کو فراہم کرکے طبع کرایا جائے چنانچہ اب تک [illegible] مجلس کے ذریعہ ۹ کتابیں جو نایاب اور قدیم تھیں مسلمانوں کے ہاتھوں [illegible] پہنچ چکی ہیں۔ اس مجلس میں بالالتزام ہر ماہ کے آغاز میں تقریروں اور لکچروں کا بھی انتظام ہوتا ہے جس میں بیروت و دمشق اور قرب و جوار کے مسلم علماء اپنے علمی فیوض سے مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کو مستفید فرماتے رہتے ہیں۔ گذشتہ تقریب کے موقعہ پر علامہ لسیتین فتوحی نے عالم اسلامی اور سیاسی ارتقار کے موضوع پر تقریر فرماتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کا بہت اچھے الفاظ میں تذکرہ کیا اور فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمان مذہب کے پاسبان ہیں غیر ہند ہیں اور ممالک عربیہ کو وہ اپنا قلب و جگر سمجھتے ہیں انہوں نے ہمیشہ عربوں کی معیت میں حصہ لیا ہے۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا خطہ ہوگا جو ہندوستانی مسلمانوں کی طرح عربوں سے محبت اور تعلق رکھتا ہو یہاں پہنچکر فاضل مقرر نے فرمایا کہ ۵۷ء کے بعد سے ہندوستانی مسلمانوں میں سیاسی ذوق کم ہوتا جا رہا ہے مگر یہ قصور عام مسلمانوں کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جو زمام قیادت اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے عوام کو تن آسانی کی تعلیم دیتے رہتے ہیں

کتاب قوم شرح مثنوی مولانا روم

دفتر اول۔ اس کے شارح اور مصنف عالم علام صوفی عالی مقام استاد شعرائے زمان رشک واعظین دوران حضرت مولانا المخدوم مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب المتخلص بہ راسخ دہلوی مرحوم و مغفور قیمت حصہ اول عہ

انتخابِ سائل

(نواب سائل صاحب دہلوی)

کیا خبر نکلے نہ نکلے آرزو جو دل میں ہے
ہاں تمنا کی جھلک سی خنجرِ قاتل میں ہے

پوچھتے کیا ہو تمنائے دلِ پُر آرزو
جو عدو کے دل سے باہر ہے وہ تیرے دل میں ہے

تیر کو دو دو ملا دیا دل کو سرا ہوں تیر زن
تیر میں ہے دل مرا یا تیر تیرا دل میں ہے

(ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی)

خنجرِ خونخوار چل کر اب نئی مشکل میں ہے
کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے کچھ ہمارے دل میں ہے

تمہارا [illegible] اگر ہو تو ہما بینگے
آپ وہ کانٹا نکالیں جو ہمارے دل میں ہے

کچھ ادب کا اقتضا بھی کچھ تمہارا خوف بھی
لا نہیں سکتے زباں تک ہم اُسی جو دل میں ہے

رفتہ رفتہ مٹ گئے وہ سب ہمارے ذوق شوق
انتہا یہ ہے کہ اب حسرت کی حسرت دل میں ہے

(جناب عبدالباری آسی لکھنوی)

جلوۂ ماضی ہمارے حال و مستقبل میں ہے
آرزو دل میں رہی گی دل میں تھی اور دل میں ہے

اس گلی کا ذرہ ذرہ چاہتا ہے احترام
آرزوئے جبہ سائی اب بڑی مشکل میں ہے

میں تو اتنا جانتا ہوں واعظِ ناحق پرست
وہ ترے حق میں نہیں ہے جو تیری باطل میں ہے

(جناب وصل صاحب بلگرامی)

جتنی دشواری حصولِ آرزوئے دل میں ہے
اتنی ہی لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے

بند کی آنکھ اور ہمیشہ کے لئے نیند آگئی
ہائے کیا فرحت ہوائے کوچۂ قاتل میں ہے

(جناب بسمل الہ آبادی)

اسے عرف کبھی ہونگا پر نفس دست عالم نواز
اک جہان آرزو آباد میرے دل میں ہے

اک طرف ذوقِ پرستش اک طرف شوقِ سجود
ساتھ کعبے کے صنم خانہ ہمارے دل میں ہے

(حضرت ابو العلاء حکیم ناطق لکھنوی ثم ...)

شوق جسکی آب و گل میں اور ہمت دل میں ہے
جب بڑھے اُسکا قدم سمجھو کہ وہ منزل میں ہے

روح پھر قالب میں آ بیٹھی لئے ہی بے قرار
خنجر دلکش ابھی شاید کف قاتل میں ہے

یا وہ رخصت ہو رہے ہیں یا قیامت ہے قریب
اک سکوت، اک انتشار، اک برہمی محفل میں ہے

کچھ نہ کچھ ہے ذوق ناطق سب کو درد عشق سے
یا کسی کی گفتگو میں یا کسی کے دل میں ہے

(از جناب فرخ بنارسی)

لگاوٹ ہی میں قصہ عاشقوں کا پاک ہونا تھا
نگاہ ناز کو کچھ اور بھی بے باک ہونا تھا

جفائے آشکارا نازِ بیجا کی قیامت ہے
مزاج حسن کو کچھ اور بھی چالاک ہونا تھا

ترا حسن لطافت در خورِ ذوق نظر، توبہ
مگر احساس حسب وسعت ادراک ہونا تھا

تغافل ہائے جاناں کی محبت میں شکایت کیا
ادائے بے نیازی پر جبھی دل خاک ہونا تھا

مجسم حسن کے پردے میں زہر آلود نشتر ہے
دل بیتاب تجھ کو صاحب ادراک ہونا تھا

دل وحشت زدہ تکمیل وحشت میں نمایش کیا
گریباں سے جگر کا چاک پہلے چاک ہونا تھا

(زمانہ)

غزل

(حضرت طالب باغپتی)

کچھ دیر ذرا اور ابھی صبح کے تارے
مُنہ اپنا چھپائے نہیں جا شرم کے مارے

اُن اُسکے بچانے کیلئے کوشش ...
... اجل ہی کے سہارے

تعویذ ہے یہ افشاں ہے کسی شوخ جبیں پر
یا میری قسمت کے چمکتے ہیں ستارے

دنیا میں چھپا چاند مرے گھر نکل آیا
شب آپ نے بکھرے ہوئے گیسو جو سنوارے

رخسار کے نزدیک ہے آویزوں میں جنبش
ٹکرائیں نہ یہ چاند سے گستاخ ستارے

وہ درد کو سمجھے ہیں دوائے دل رنجور		تحریر ہی الٹی ہے مقدر کی ہمارے
لو وہ بھی چلے آئے پئے پرسش بیمار		اب موت اس احسان کو اتارے تو اتارے
اُف نور کی آغوش میں طالب وہ شب کیف		وہ چاند نہاتا ہوا دریا کے کنارے

نیاز ناز

(ناز بجنوری)

میں اس منزل پہ جا پہنچا ترے غم میں فنا ہو کر		جہاں تک نہیں پہنچے خضر بھی رہنما ہو کر
میں ڈوبا جا رہا تھا آ گئے وہ ناخدا ہو کر		خدا جانے وہ کیا کرتے اگر آتے خدا ہو کر
اٹھا لاؤ نگاہیں سارے جہاں کی سجدہ گاہوں کو		ذرا تم سامنے آ جاؤ تو جلوہ نما ہو کر
خسہ لہ تیری خدائی سے مجھ کو نفرت ہی ہاں نفرت		کہ تجھکو پا لیا میں نے خدائی سے جدا ہو کر
بالآخر کر دیا مجبور تم کو کامراں مجھ کو		اسی سوزش نے دل کی تم نے جو دی تھی جدا ہو کر
یہ کیا ہے حشر تک ملنے کی تم نے تو قسم کھا لی		خفا ہوتے ہیں لیکن مل بھی جاتے ہیں خفا ہو کر
مری قسمت بدل دینا بھی کوئی کار مشکل ہے		یہ کیسی بات کہہ دی آپ نے مشکل کشا ہو کر
سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ اب کیا دوں جواب انکو		وہ مجھ سے پوچھتے ہیں حال دل مرا آشنا ہو کر
دعائیں اہل گلشن سے جو کیں باد صبا تو نے		وہ میرے آشیاں پر گر پڑیں برق جفا ہو کر
یہ ڈرتا ہوں دل ناداں کہیں تو ہی صنم ہو جائے		کہاں لیجا رہا ہے ناز کو تو رہنما ہو کر

چھ سو برس پہلے

ہندوستان میں سب سے پہلا مسلمان

یعنی ۷۲۵ھ ہجری میں دنیا کے عجیب و غریب حالات و واقعات کا مسلمان سیاح ابن بطوطہ کا سفرنامہ جس میں پچیس برس کے حالات سفر درج ہیں۔ یہ پہلا مسلمان سیاح ہے جو سندھ میں آیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے چھ صدیاں پہلے کی ہندوستانی معاشرت شاہان اسلام کی بے نظیر اولو العزمی۔ ہندوؤں کے ساتھ بہترین برتاؤ کی مستند مثال ملتی ہے۔

جلد اول کا ترجمہ جناب عطاء الرحمن صاحب [illegible] قیمت [illegible] صفحات
جلد دوم کے مترجم جناب خان بہادر پیرزادہ [illegible] صاحب ایم [illegible]
مرحوم ہیں۔ کاغذ چکنا۔ ٹائیٹل رنگین خوشنما۔ ۵۲۲ صفحات قیمت [illegible]

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول

حالات مکہ معظمہ	مدینہ منورہ	بیت المقدس	قسطنطنیہ	کربلائے معلی
قاہرہ	اسکندریہ	حلب	مشہد	کوفہ
بغداد	مشرقی افریقہ کی سیر	افغانستان	کابل کے سفروں کا بیان	

مختصر فہرست مضامین سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم

حالات سندھ	پتنگ لکڑی	چین کی دیوار	شام	سوڈان
ملتان و دہلی کا سفر	وونگ کا ملی برج	چین کے مرغ	مسقط	[illegible]
سلطان محمد تغلق	[illegible]	[illegible]	اصفہان	حبشیوں کی [illegible]
جونپور دہلی کا سفر	ناچنے والا گھوڑا	[illegible] باز	تیونس	آدم [illegible]
جوگی اور داتن	چین	عرب	اندلس	[illegible]
چین کے جہاز	چینی کے برتن	ایران	جبرالٹر	[illegible]

ملنے کا پتہ: [illegible] دہلی